ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۱۶ر نومبر ۱۹۹۲ء

اسلامی جمہوری حکومت کے پہلے دو سال کی کارکردگی

کلنٹن کی کامیابی کے قومی اور بین الاقوامی اثرات کیا ہوں گے؟

پاکستان بھی کشمیریوں کے ساتھ اپنے وعدے پورے نہیں کر رہا!

تبلیغی جماعت کے سالانہ اجتماع کے موقع پر
یاددہانی کا ایک تحفہ

ان (مولانا محمد الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت) کے سامنے محض اتنی سی بات نہ تھی کہ صرف عوام الناس روزہ نماز سیکھ جائیں اور ذکر و اذکار کے پابند ہو جائیں بلکہ مولانا پوری ملت اسلامیہ کو بیدار کر کے انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کو اسلامی بنانے کی فکر رکھتے تھے۔ خود مولانا کے الفاظ میں ــــ "ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم ہمارے پورے نصاب کی ــــ اب ت ــــ ہے"

(ماخوذ از اسلامی انسائیکلوپیڈیا مرتبہ سید قاسم محمود)

قیمت ۵ر روپے

وہ ایک عظیم انسان تھے لیکن انہیں "معصوم" تو نہ بنایئے!

عطاء الحق قاسمی صاحب کی خدمت میں ان کے ایک قاری کی گزارشات

محمد یونس

لاہور سے ہمارے ایک رفیق ' ایم ایم موٹرز کے محمد یونس صاحب نے عطاء الحق قاسمی صاحب کو ان کے ایک کالم میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ذکر خیر کے بعد ایک خط ارسال کیا ہے جو انہیں پہنچے یا نہ پہنچے ' یہاں ضرور ان کی نظر سے گزر جائے گا ۔ وہ جواب میں اگر کوئی وضاحت پیش کرنا پسند کریں تو ندائے خلافت کے صفحات حاضر ہیں۔ (مدیر)

جناب عطاء الحق قاسمی صاحب
السلام علیکم!

روزنامہ نوائے وقت کی اشاعت ۲۱ اکتوبر میں آپ کا کالم "روزن دیوار سے" پڑھا۔ جس کا عنوان تھا "ڈاکٹر اسرار احمد سے معذرت کے ساتھ"۔ اس کالم میں آپ نے "ندائے خلافت" (۲۱ ستمبر ۹۲ء میں شائع شدہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر پر گرفت کی ہے۔ آپ کا کالم پڑھ کر میں نے بھی اسے دوبارہ پڑھا لیکن اس سے جو نتائج آپ نے اخذ کئے' وہ حیران کن ہیں۔

اس سے پہلے کہ میں آپ کے کالم میں کی گئی باتوں کے بارے میں کچھ عرض کروں' اصولی بات یہ جان لینی چاہئے کہ ماضی کی تاریخی شخصیتوں کو چاہے وہ کتنی ہی عظیم ہوں' ہمیں انسان ہی سمجھنا چاہئے۔ ان کا خلوص' محنت' دیانت چاہے سب کچھ قابل فخر ہو' لیکن بہرحال وہ انسان ہیں اور ان سے غلطیوں کا سرزد ہونا عین فطرت ہے بقول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "تمام بنی نوع انسان خطاکار ہیں اور بہترین خطاکار توبہ کرنے والے ہیں۔"

اپنی اس تقریر میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بار بار اپنی کتاب "استحکام پاکستان" کا حوالہ دیا ہے۔ علم دوستی کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ تنقید کرنے سے پہلے اس کتاب کو ضرور پڑھتے لیکن میں آپ کالم نگاروں کی مجبوری سمجھتا ہوں کہ بعض اوقات کالم کا پیٹ بھی تو بھرنا ہوتا ہے۔

کیبنٹ مشن پلان اور ۱۴ر نکات کے حوالے سے آپ نے جو نتیجہ اخذ فرمایا ہے کہ "مسلم لیگی قیادت تو علیحدہ ملک کی قائل ہی نہیں تھی" درست نہیں ہے اور اس سے قارئین گمراہ ہوں گے چاہے آپ شعوری طور پر ایسا نہ کررہے ہوں۔ آپ پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا اصلی موقف بیان کرنے سے پہلے چند تاریخی حقائق ترتیب وار گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) ۱۹۲۴ء میں قائد اعظم نے ۱۴ر نکات پیش کئے۔

(۲) ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد آیا جس میں برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ ریاست کا تصور تو موجود ہے لیکن پاکستان کے نام سے نہیں۔

(۳) ۱۹۳۲ء میں قائد اعظم ہندوستان سے مایوس ہو کر لندن چلے گئے۔ قائد اعظم نے الفاظ تھے کہ "میں ان مسلمانوں کی قیادت کیسے کروں جو مجھ سے بات کرنے کے بعد وائسرائے سے بھی مشورہ کرتے ہیں۔"

(۴) ۱۹۳۴ء میں علامہ اقبال اور قائد اعظم کی خط وکتاب ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں قائد اعظم لندن سے واپس آتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ اس وقت بھی علیحدہ ریاست کا کوئی تصور ان کے ذہن میں موجود ہو لیکن بظاہر ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ تاہم ۱۹۴۰ء میں جب قرارداد پاکستان پیش ہوتی ہے تو اس وقت علیحدگی کا تصور پوری طرح موجود تھا۔ گویا جو بات آپ نے ڈاکٹر اسرار احمد کی تقریر سے اخذ کی ہے وہ تاریخی حقائق یا بالخصوص ان کی ترتیب کو نظرانداز کرنے کا نتیجہ ہے۔

اس کے بعد آپ نے ایک طویل اقتباس نقل کرکے جو یہ نتیجہ نکالا کہ ڈاکٹر صاحب قائد اعظم کو بالواسطہ منافق قرار دے رہے ہیں' حیران کن ہی نہیں خوفناک بھی ہے۔ بلکہ یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تحریر سے جگہ جگہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قائد اعظم کو ایک سچا' راست گو اور دیانت دار انسان سمجھتے ہیں اور قائد اعظم کے دوست اور دشمن سب مانتے ہیں کہ جو کچھ ان کی زبان پر ہوتا وہی کچھ دل میں بھی ہوتا تھا۔ شاید یہ بات آپ کے لئے انکشاف کا درجہ رکھتی ہو لیکن ریکارڈ پر ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد واحد قابل ذکر آدمی ہیں جنہوں نے اس مشن کو جس کی تکمیل قائد اعظم کے ہاتھوں ہوئی' کار نبوت قرار دیا ہے اور دلیل اس کی یہ دی کہ حضرت موسیٰؑ کو رسالت کے منصب کے ساتھ جو پہلا کام تفویض کیا گیا وہ آل فرعون کے پنجے سے بنی اسرائیل کی رہائی تھا۔

پاکستان کی تحریک چلانے کے لئے جب آخری مرحلہ آتا ہے تو اس مرحلہ پر جذبات کو اپیل کیا جاتا ہے۔ اس وقت بنیاد صرف اسلام تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور نعرہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو یک جان اور متحرک نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن یہاں میں یہ بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قائد اعظم کے ذہن میں یقیناً یہ بات ہوگی کہ جو ملک ۹۵ز مسلمانوں پر مشتمل ہوگا' اس میں اسلام کے نظام کے سوا اور کسی نظام کا کوئی سوال ہی نہیں ہے لہٰذا منافقت کا مسئلہ بیچ میں کہاں سے آٹپکا اور یہ دعویٰ میرا نہیں خود ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ہے۔ قاسمی صاحب! خدارا بتائیں کہ

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۴۱
۱۶ر نومبر ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد
معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون:- ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرون پاکستان) -/۲۰۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۲۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۵ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۲۰ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۴ " "

اداریہ

اسلامی جمہوری حکومت کے دو سال

اس جمعہ کو میاں نواز شریف کی حکومت کے پہلے دو سال مکمل ہو گئے۔ بظاہر اب یہ مسلم لیگ کے بھی ایک دھڑے کا اقتدار ہے لیکن اصرار کیا جاتا ہے کہ اسے اسلامی جمہوری اتحاد (آئی جے آئی) کی حکومت کہا جائے تو در حقیقت ہمیں ایک عملی سہولت حاصل ہو رہی ہے کہ حکومت کی کارکردگی کا وزن دیکھنے کے لئے ایک میزان میسر آگئی۔ حکمرانوں نے پچھلے عام انتخابات میں آئی جے آئی کے نام سے حصہ لیا اور قوم کے سامنے اپنا ایک منشور پیش کیا تھا' اسی کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا کہ پانچ سال کی مدت میں جن اہداف کا تعین کیا گیا تھا وہ دو سال میں قریب آئے یا دور تر ہو گئے ہیں۔ آئی جے آئی کا شیرازہ اگرچہ بکھر چکا ہے اور میاں صاحب کے اتحادی اب ان کی مخالفت میں حزب مخالف کے بھی کان کتر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے اقتدار پر اب تک آنچ نہیں آئی تو یہی ان کا بڑا کارنامہ ہے اور اصل کارکردگی بھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس پر آغاز میں ہی انہیں داد دے دی جائے کیونکہ بعد کے جائزے میں اس کا موقع شاید ہی آسکے۔

موجودہ حکومت کا سب سے زور دار اور بلند آہنگ نعرہ نفاذ اسلام تھا اور سادہ لوح مسلمانوں نے آئی جے آئی کی انتخابی کامیابی کو اسلام کی فتح سمجھا کیونکہ پروپیگنڈے کے جن ماہرین کی خدمات اسلامی جمہوری اتحاد کو حاصل تھیں انہوں نے مد مقابل یعنی پیپلزپارٹی کو فسق و فجور بلکہ کفر تک کی علامت بنا کر پیش کیا اور آئی جے آئی کو از سرتاپا اسلام قرار دیا تھا۔ ہم جانتے تھے کہ معاشرے کے رنگ ڈھنگ کو کوئی انتخابی کامیابی کسی ایسی انقلابی تبدیلی سے روشناس نہیں کر سکتی جس کا دعویٰ کیا جا رہا تھا لیکن اس جانب کچھ پیش قدمی ضرور ممکن تھی۔ نفاذ اسلام کی منزل تک اس راستے سے رسائی نہیں ہو سکتی لیکن راہ کو ایک حد تک ہموار تو کیا جا سکتا تھا بالخصوص اس صورت میں کہ نہ صرف متعدد مذہبی جماعتیں آئی جے آئی کی شریک سفر تھیں بلکہ جماعت اسلامی کو قائدانہ کردار ادا کرنے کا موقع دیا گیا جس کے بارے میں ہم آج بھی یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ اس کا تصور اسلام مذہبی نہیں' دینی ہے۔ لیکن پچھلے دو برسوں میں اسلام ہی کے ساتھ وفاداری کی بجائے دغابازی کا رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ طبقہ علماء سے تعلق رکھنے والے دو اراکین سینٹ بے نظیر بھٹو کے مختصر لادین و مادر پدر آزاد دور حکومت میں پیپلزپارٹی کو تکمیل ڈالنے کی غرض سے جس پرائیویٹ شریعت بل کے محرک بنے اسے آخر کار آئی جے آئی کی "اسلامی" حکومت کے گلے میں ہڈی کی طرح پھنسا تھا۔ اسے نفاذ شریعت ایکٹ کی شکل دے کر نگلنے کے لئے فنکارانہ تراش خراش سے گزارا گیا جس کے بعد وہ سابق امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد کے بقول "انسداد شریعت ایکٹ" بن کر رہ گیا تھا۔ یہ بل' ایکٹ کی صورت اختیار کرتے ہوئے جتنا بے معنی تھا اتنا ہی غیر موثر چلا آتا ہے کیونکہ وہ آئینی ترمیم جو اسے بامعنی اور موثر بنانے کے لئے فوراً بعد آنے والی تھی' بہت عرصہ وعدہ فردا پر ٹلتی رہی اور اب اس کا ذکر بھی متروک ہو چکا ہے کیونکہ شریعت کے ساتھ اس سنگین مذاق پر دینی حلقوں میں جو رد عمل پیدا ہوا تھا وہ بھی وقت گزرنے کے ساتھ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا ہے۔

اسلام کے ساتھ ہماری موجودہ اسلامی حکومت کے حسن سلوک کا دوسرا مظہر تب سامنے آیا جب وفاقی شرعی عدالت نے سود کی ہر قسم کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے حکم دیا کہ ۳۰ر جون ۱۹۹۲ء تک ان قوانین کے متبادل ضابطے تیار کر لئے جائیں جو سود کی گنجائش نکالتے ہیں کیونکہ اس تاریخ کے گزرنے پر سب کو کالعدم ہو جانا تھا۔ فاضل عدالت کا یہ فیصلہ اتنا مفصل اور مدلل تھا کہ اسے بجا طور پر ایک تاریخی دستاویز قرار دیا گیا لیکن یہ بھی اسلام کا دم بھرنے والے ہمارے حکمرانوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ بندی پر آمادہ کرنے میں ناکام رہا۔ حکومت کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک وفاقی وزیر مملکت سودی مالیاتی نظام کے دفاع میں داد شجاعت دیتے رہے جبکہ سرکاری موقف یہ تھا کہ تعمیل حکم کی

تیاری کی جارہی ہے اور یہ کہ اس فیصلے کے خلاف عدالت عظمیٰ میں اپیل دائر نہیں کی جائے گی مگر ثابت ہوا کہ نیت راست نہ تھی کیونکہ مقررہ معیاد کے اندر اندر اپیل بھی دائر ہوگئی اور کسی متبادل انتظام کی بھی سن گن نہ ملی۔ الٹا ہوا یہ کہ سود کو معاشرے کے اس طبقے کے رگ و پے میں بھی سرایت کرنے کا موقع دیا جارہا ہے جو سودی لین دین سے اب تک بچا ہوا تھا۔ وزیراعظم کی "انقلابی" روز گار سکیم اور پبلک ٹرانسپورٹ سکیم کا میزانیہ تو کچھ عرصے بعد مرتب ہوگا کہ بے روز گاری کا کس حد تک مداوا ہوا اور اس کے مقابل سرکاری خزانے کو محصولات کی مد میں کتنا نقصان اٹھانا پڑا ' بنکوں کی کتنی رقم ڈوبی اور قرضوں کی واپسی کو ٹالنے کے لئے کس کس نوع کی نئی بدعنوانیاں راہ پاگئیں تاہم یہ ضرور ہوا کہ سود کی لعنت سے گلو خلاصی پہلے کی نسبت زیادہ مشکل ہوگئی ہے۔

اسلام کے ساتھ رسمی اور قانونی تعلق کی گرم جوشی کا حال تو متذکرہ بالا دو معاملوں میں ہی کھل گیا' ہماری حکومت اس ملک کے مستقبل کو اسلام کے ساتھ وابستہ کرنے کے سلسلے میں بھی نمایاں کارگزاری دکھا رہی ہے اور اس کا آئینہ ہمارا ٹیلی ویژن ہے ۔ پہلے ایس ٹی این کو جو ویسا ہی ایک سرکاری ادارہ ہے جیسا خود پی ٹی وی ' بے مہار آزادی دی گئی کہ ستر و حجاب کی چادر کو تار تار کر کے شرم و حیا کی چار دیواری میں جیسے چاہے نقب لگائے اور اب اس کی مقبولیت کے توڑ کے لئے پی ٹی وی پر بھی نام نہاد پابندیوں کو نرم کیا جارہا ہے گویا جو کام پی پی پی کے دور حکومت میں آزاد خیالی کے نام پر ہوا ' وہی ایک مصنوعی مسابقت کی آڑ میں کیا جائے گا اور نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات یعنی قوم کی آئندہ نسل کے اخلاق و کردار پر بدستور شب خون مارا جارہا ہے ۔ اس متاع سے محروم ہو کر یہ قوم اسلام کی اعلیٰ قدروں کا پاس کرنے کی تو کیا ' کوئی بھی مثبت رویہ اپنانے کی صلاحیت سے عاری ہوجائے گی کہ آسمانی ہدائت سے فیض یافتہ مشرقی معاشرے اگر روگردانی پر اتر آئیں تو وہ خود ساختہ زمینی ضابطے ان میں عام سی زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے جن کے سہارے اقوام مغرب نے مادی ترقی کے اوج ثریا کو چھولیا ہے ۔ اس اعتبار سے حال سے تو ہم بے حال ہیں ہی' مستقبل پر بھی فاتحہ کا ثواب موجودہ حکومت کو پہنچتا ہے ۔

امن و امان کی پامالی و زبوں حالی سابقہ حکومت کے خلاف صدر مملکت کی فرد جرم کا اہم حصہ تھی اور موجودہ حکومت کو تا حال ان کی خوشنودی حاصل ہے تو اس کا مطلب یہ ہونا چاہیے تھا کہ راوی اب چین لکھتا ہے لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہے ۔ صوبہ سندھ کو اس سلسلے میں فوج کی مدد حاصل کرنی پڑی اور پنجاب میں بھی صورت حال قابو سے باہر ہوتی جارہی ہے ۔ عام جرائم اور بالخصوص گھناؤنے جنسی جرائم میں اضافے کی شرح ہولناک ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ خرابی اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو اور کچھ عرصے میں یہاں بھی سول انتظامیہ عاجز آجائے گی لیکن فوج کو پولیس کے فرائض کی انجام دہی پر لگا دیا جائے گا تو سرحدوں کی رکھوالی کون کرے گا جن پر دباؤ اس دوران میں گھٹا نہیں ' بڑھا ہے ---- اس پہلو پر گفتگو کو جتنا پھیلا یا جائے ' صورت حال کے اتنے ہی مخدوش گوشے سامنے آتے چلے جائیں گے ۔ تشویش کا ایک مشترک سبب بہر حال بالکل واضح ہے ' یہ کہ اصلاح احوال کے لئے مثبت کام نہیں ہورہا جبکہ منفی قوتوں کو کار فرمائی کا پورا موقع میسر ہے ۔ ماحول تعمیر کے لئے ناسازگار اور تخریب کے لئے روز بروز زیادہ ساز گار ہوتا جارہا ہے اور احساس زیاں کا فقدان اس پر مستزاد!

ملک کی ڈانواڈول معیشت کو سنبھالا دینے اور اسے مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کا دعویٰ بڑے زور شور سے کیا گیا تھا جس کے لئے نج کاری کا نسخہ کیمیا دھوم دھام سے زیر استعمال ہے ۔ سرمایہ کاری کو پرکشش بنانے کی غرض سے غیر معمولی مراعات کا اعلان کیا گیا اور دیسی کے علاوہ ولائتی سرمائے کے بھی بے روک ٹوک بہاؤ کا خیر مقدم کیا جارہا ہے ' اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں کہ سرمایہ باہر سے اندر آتا ہے یا اندر سے باہر کا رخ کررہا ہے ۔ ان غیر معمولی اقدامات کے نتیجے میں ایک بار تو چہل پہل ہوئی اور سرمائے کی ریل پیل بھی دیکھنے میں آئی لیکن جلد ہی محسوس ہونے لگا کہ شوق میں وہ گرمی باقی نہیں رہی ۔ سٹاک ایکسچینج میں بازار حصص اتنا چڑھا کہ لوگوں نے شیئرز خریدنے کے لئے جائیدادیں تک فروخت کرڈالیں اور شہروں میں سکنی اراضی کی ہمیشہ اونچی سے اونچی اٹھتی قیمتیں زمین بوس ہوگئیں مگر یہ بھی نظربندی کا کمال ثابت ہوا اور سٹاک ایکسچینج کو اس بحران کا سامنا کرنا پڑا جس میں حکومت اگر بروقت کمک لے کر نہ پہنچتی تو کوآپریٹوز سے بھی بڑا ایک اور سکینڈل منظر عام پر آتا ۔ نئی صنعتوں میں سرمایہ کاری کی جو دوڑ خصوصی مراعات کی وجہ سے ابتدا میں لگی تھی' وہ بھی کچھوے کی چال پر آگئی ہے ۔ حکومت نے جن سہولتوں کا لالچ دیا تھا ان کے حصول میں سرخ فیتہ حسب سابق آڑے آتا رہا' ملک میں امن و امان کی خراب و خستہ حالت اور سیاسی عدم استحکام نے نئے آنے والوں کی حوصلہ شکنی کی اور یہ بھی ہوا کہ بنکوں کے پاس صنعتوں کو قرضے فراہم کرنے کے لئے رقم ہی باقی نہ بچی کیونکہ حکومت کی اپنی ضروریات پوری کرنے میں ہی ان کی چیں بول گئی تھی اور رہی سہی کسر خودروزگاری اورپبلک ٹرانسپورٹ کی نادر سکیموں نے پوری کردی جن کے لئے کو اپنے خزانوں کے منہ کھول دینے کی تاکید تھی ۔

پرائیوٹائزیشن یعنی نج کاری کے بارے میں مختلف حلقوں کی طرف سے اب تک جو کچھ کہا اور لکھا جاچکا ہے اس میں سے سنجیدہ مواد ہی کو اکٹھا کیا جائے تو بے اختیار یہ اعلان کرنے کو جی چاہتا ہے کہ پاکستان کی ۴۵ سالہ تاریخ میں اس لوٹ کھسوٹ کا نمبر پہلا ہے ۔ حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ پڑھنے کا رواج یہاں شروع میں ہی پڑ گیا تھا لیکن ایسی آخر کبھی نہیں آئی ۔ عموی اتفاق رائے اس امر پا پایا جاتا ہے کہ قومی دولت کو تاجروں صنعتکاروں کے ایک مخصوص گروہ نے حکمرانوں کی ملی بھگت سے جی بھر کے لوٹا ہے کیونکہ افسر شاہی کے بارے میں تو یہ احتمال موجود تھا کہ کاروبار کی اونچ نیچ سے چونکہ واقف نہیں ہوتی لہذا عجب نہیں کہ ہیرے کو شیشے کا ٹکڑا سمجھ کر بیچ بیٹھے لیکن وزیراعظم نواز شریف کی سربراہی میں کام کرنے والی حکومت کی ناک کے نیچے یہ "لوٹ سیل" نہیں لگ سکتی تھی ۔ میاں صاحب ایک تعلیم یافتہ اور تجربہ کار کاروباری ہیں اور کاروبار کے راز ہائے سربستہ سے اس حد تک واقف کہ

گزشتہ سات آٹھ برسوں میں مٹی کو ہاتھ لگایا تو وہ بھی سونا بن گئی ۔ ان کے ہوتے کیسے ممکن تھا کہ قوم کا سونا پیتل کے بھاؤ فروخت کردیا جائے ۔ بیش بہا قومی املاک کو جس طرح کوڑیوں کے مول بیچا گیا اس کے اندازے کے لئے ہم ایک مثال پر اکتفا کریں گے جس کی تفصیل واقف حال حلقوں میں سینہ بہ سینہ پھیلتے ہوئے ہم تک بھی پہنچی ہے ۔ دروغ بر گردن راوی ' روایت یہ ہے کہ نج کاری کے عمل میں صوبہ سرحد کے ایک چھوٹے شہر میں واقع ایشیا کا سب سے بڑا پیپر مل ۲۵ کروڑ روپے میں فروخت کئے چند ہی ماہ ہوئے تھے کہ وہ شہر ایک نئے ضلع کا صدر مقام بن گیا ۔ نئی ضلعی انتظامیہ نے دیکھا کہ مذکورہ پیپر مل کی کالونی بہت بڑی اور مل کی ضرورت سے زیادہ ہے بلکہ اس کی توسیع کے لئے کچھ سفید زمین بھی پڑی ہوئی ہے تو مل کے نئے مالکوں سے رابطہ کر کے کہا گیا کہ فالتو زمین اور کالونی کا ایک چھوٹا سا حصہ حکومت خریدنا چاہتی ہے ' بتایا جائے کہ اس کے معاوضے کے طور پر مل کے مالک کتنی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں اور اب جگر تھام کے بیٹھئے اور سنئے کہ اس اثاثے کی قیمت جو مل کی پوری مالیت کا زیادہ سے زیادہ دس فی صد ہوگا ' نئے مالکوں نے پچاس کروڑ روپے لگائی ۔ گویا پانچ ارب روپے کا سودا ۲۵ کروڑ میں اٹھوایا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ حاتم کی قبر پر لات مارتے ہوئے ذمہ داران حکومت نے اپنے بال بچوں کے پیٹ کا بھی تو خیال رکھا ہوگا ۔

یہ تو سنی سنائی ایک بات تھی لیکن سیمنٹ فیکٹریوں کا ماجرا دو اعتبارات سے الم نشرح ہوا ہے ۔ ایک یہ کہ سیمنٹ کی جو بوری صارف کو سرکاری انتظام میں چلنے والی فیکٹریوں سے سو یا ایک سو دس روپے تک میں ملتی تھی ' سیمنٹ فیکٹریوں کی نج کاری اور کئی یونٹوں کے ایک ہی گروپ کی نجی ملکیت میں جانے کے بعد اس کی قیمت ڈیڑھ سو سے ایک سو ستر روپے تک جا پہنچی ۔ نااہل افسر شاہی کی بے تدبیری اور سرکاری محکموں میں رائج بدعنوانی کے فیکٹریوں میں در آنے کے باعث سیمنٹ کی قیمت پچھلے چند برسوں میں بے تحاشا بڑھی اور ان کے کاروباری لوگوں کے ہاتھوں میں جانے کے بعد توقع یہ تھی کہ آسمان سے باتیں کرتے نرخ کچھ نیچے آئیں گے کہ کارکنوں کی صلاحیت کار کو بڑھا کر اور ہر مرحلے میں پیداوار کی لاگت میں بدعنوانی کے نتیجے میں ہونے والے اضافے کا سدباب کر کے نئے مالک نہ صرف اپنے منافع کو بڑھائیں گے بلکہ صارف پر پڑنے والے بوجھ میں بھی کمی کریں گے تاکہ نج کاری کا کچھ فائدہ عام شہریوں کو بھی پہنچے ۔ یہ امید نقش بر آب ثابت ہوئی ہے اور سیمنٹ فیکٹریوں کے نئے مالکان نے لوٹ کا بازار گرم کر رکھا ہے ۔ حکومت نے ان سے پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع تو کیا ہے لیکن اس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہ نکلے گا کہ چالیس پچاس روپے کے اضافے میں پانچ سات روپے کی کمی کروا کے صارفین پر احسان فرمادیا جائے گا ۔

دوسری بات جو چہ میگوئی کے مرحلے سے گزر کر اب اخبارات و جرائد میں اعداد و شمار کے ساتھ شائع ہونے لگی ہے ' تین سیمنٹ فیکٹریوں پر حکمرانوں کے پسندیدہ ایک ہی گروپ کی اجارہ داری کا قیام ہے جو اسے اس طور مفت پیش کردی گئی ہیں کہ گروپ کو پلے سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں دینی پڑی ۔ پہلے مرحلے میں برائے نام قیمت کے جس حصے کی ادائیگی واجب تھی وہ فیکٹریوں میں موجود نقد رقوم اور ڈیلروں سے من مرضی کا اضافی زر ضمانت وصول کر کے پورا کیا گیا اور باقی رقم جو اقساط میں واجب الادا ہے ' انہی فیکٹریوں کی کمائی کے ایک حصے میں سے ادا کر دی جائے گی ۔ یہ کہانی اخبارات میں شائع ہو چکی ہے اور بعض قومی اخبارات نے اس پر اداریے اور شذرات بھی لکھے ہیں لہٰذا ہمیں اعداد و شمار کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ۔ اس سے لوگوں نے اگر یہ سمجھا ہے تو کچھ غلط نہیں سمجھا کہ قومی املاک سب کی سب اسی طرح اونے پونے ٹھکانے لگائی گئی ہیں ۔

ہماری حکومت نے عوام کی زندگیوں سے تعلق رکھنے والے خاص خاص پہلوؤں میں جس کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے ' اس کے اندازے کے لئے ان صفحات میں نمونے کے طور پر چند ہی امور کا ذکر کیا جاسکتا تھا جبکہ عمومی کیفیت یہ نظر آتی ہے کہ امیر کے امیر تر ہوتے چلے جانے اور غریب پر غربت کی مار بڑھنے کا عمل حسب سابق جاری ہے بلکہ شدید تر ہوگیا ہے ۔ مہنگائی نے غریبوں کی کمر توڑ کر رکھ دی تاہم اہل ثروت کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا کیونکہ ان کی قوت خرید دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے ۔ بڑے شہروں سے لے کر چھوٹے قصبوں بلکہ دیہات تک نئی نویلی کاریں ' اور " فور بائی فور" لگژری ویگنیں اپنی چھب دکھاتی پھرتی ہیں جبکہ ہیں تلخ بہت "بندہ لاچار" کے اوقات ۔

سیاسی استحکام نام کی کوئی شے اب سونگھنے کو بھی نہیں ملتی ۔ اس کے برعکس اخبارات دو طرفہ ایسے بیانات سے بھرے ہوتے ہیں کہ اگلی صبح تک کچھ نہ کچھ ہو رہنے کا انتظار چلتا ہے ۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں نے بقائے باہمی کے اصول پر یکساں انداز میں تین حرف بھیج رکھے ہیں اور ظاہر ہے کہ اندرون ملک سیاسی استحکام موجود نہ ہو تو وقت کی کوئی بھی حکومت ایک مضبوط خارجہ پالیسی پر بھی کار بند نہیں ہوسکتی ۔ ویسے بھی ہماری خارجہ پالیسی بہت عرصے سے حالات کے رحم و کرم پر ہے ' ہماری آزاد سوچ کے تابع نہیں رہی لہٰذا اس پہلو پر گفتگو تحصیل حاصل ہے ۔

ہمیں اسلامی جمہوری حکومت کے پہلے دو سال کی کارگزاری کا جائزہ لے کے ہرگز خوشی نہیں ہوئی ۔ ہماری خواہش تو یہ تھی اور اب بھی ہے کہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک میں اسلام کا نعرہ لگا کر بر سر اقتدار آنے والا گروہ بہتر کارکردگی کا کریڈٹ حاصل کرے ۔ اب تک ایسا نہیں ہوا تو آئندہ ہی ہوش کے ناخن لئے جائیں ۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور اللہ ہی جانے کس وقت موجودہ حکومت کی بساط لپیٹ دی جائے چنانچہ جو بھی مہلت مل رہی ہے اسی میں نواز شریف صاحب کو کچھ ایسے کام کر گزرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو انہیں دوبارہ پاکستان کے مسلمانوں کو منہ دکھانے کے قابل بنا سکیں

سیکولرزم کا ہراول دستہ

بے نظیر صاحبہ کی پیپلزپارٹی نے شناختی کارڈ پر مذہب کے اندراج کے مسئلے پر صف بندی کر کے پاکستان کی بنیادوں پر حملہ کرنے والی سیکولرزم کی علمبردار فوج کا ہراول دستہ بن کر مسلمانوں میں اپنی

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیت ۱۳۹ تا ۱۴۱)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

کہہ دو ' کیا تم حجت کرتے ہو ہم سے اللہ کے بارے میں ' حالانکہ وہی ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ' اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ اور ہم تو خالص اسی کے لئے ہیں ○

(کہ اللہ کے بارے میں تمہارا ہم سے جھگڑنا ' اس کے پیغمبروں میں سے کچھ کو ماننا اور بعض کی تکذیب کرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ تمام مخلوق میں اس کی رحمت و عنایت کا تمہارے یعنی یہودیوں کے سوا اور کوئی مستحق نہیں ' قطعی طور پر ناقابل فہم ہی نہیں ' نامعقولیت کا مظہر بھی ہے ۔ سیدھی سی بات ہے کہ وہی ہم سب کا رب ہے ' تمہارا بھی اور ہمارا بھی ۔ اور ہم سب اس کی مخلوق ہیں اور اپنے اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ اس کی رحمت اور فضل و کرم کا زیادہ مستحق کون ہے ' اور منصب نبوت و رسالت کا کون زیادہ اہل ہے ' اس کا فیصلہ ہمارے ہاتھ میں نہیں ' اس کے اختیار میں ہے ۔ ہاں اتنی بات بالکل ظاہر ہے کہ جو لوگ اللہ کے ساتھ اخلاص اور وفاداری کا معاملہ کریں گے وہی اس کی عنایات کے اولین مستحق ٹھہریں گے!)

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے ! پوچھو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو چھپائے کسی ایسی شہادت کو جو ثابت ہو چکی اس کو اللہ کی طرف سے ' اور اللہ بے خبر نہیں ہے تمہارے کاموں سے ○

(اسی طرح تمہارا یہ دعویٰ کہ حضرت ابراہیمؑ ' حضرت اسماعیلؑ ' حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ یہودی یا نصرانی تھے ' صریحاً بے بنیاد ہے ۔ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کے مذہب و عقیدے کے بارے میں تم زیادہ باخبر ہو یا اللہ ؟--- تمہارے پاس تورات موجود ہے جس میں ان بلند پایہ ہستیوں کے مذہب و عقیدے کی تفصیلات درج ہیں ۔ ذرا آنکھیں کھول کر اسے پڑھو تو اس میں تمہیں اس بات کی گواہی ملے گی کہ ان پیغمبروں کے زمانے میں یہودیت اور نصرانیت نام کی کوئی شے نہیں پائی جاتی تھی ۔ یہ اصطلاحات تو ان کے صدیوں بعد تم نے خود وضع کی ہیں ۔ اللہ نے اپنے تمام پیغمبروں پر جو دین اتارا اس کا جامع نام اسلام ہے ۔ اللہ کی اس واضح گواہی کو جو شخص جھٹلائے اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے!!!)

وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ' ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے کمایا ' اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کمایا اور تم سے پوچھ گچھ نہیں ہوگی ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے ○

(کہ انبیاء کرام کی یہ مقدس جماعت جس کے ساتھ اپنی نسبت پر تمہیں فخر ہے ' اپنا وقت پورا کرکے اللہ کی جناب میں حاضر ہو چکی ہے ۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں دین کی خاطر عزیمت اور استقامت کی اعلیٰ مثالیں قائم کرکے جو نیکیاں کمائیں وہ انہی کے کھاتے میں درج ہوں گی ' اور تم جو کچھ نیکیاں یا بدیاں کماؤ گے ان سب کا اندراج تمہارے کھاتے میں ہوگا ۔ نہ تو ان کی نیکیوں کا کوئی حصہ تمہیں پہنچ سکے گا اور نہ ہی ان کے اعمال و افعال کے بارے میں تم سے کوئی باز پرس ہوگی ۔ ہاں تم سے تمام تر محاسبہ تمہارے اپنے اعمال کے بارے میں ہوگا اور اس کی فکر تمہیں دامن گیر رہنی چاہیے!)

کلنٹن کی کامیابی کے قومی اور بین الاقوامی اثرات کیا ہوں گے؟

ایک نئی سرد جنگ کا خطرہ ہے —— دنیا بھر کے سربراہان مملکت پریشان ہیں

عرب حکمرانوں کی خوف زدگی بھی بلاوجہ نہیں

عبدالکریم عابد

کینیڈی کی طرح کلنٹن بھی قتل ہوسکتے ہیں!

امریکہ کے عالمی کردار میں کمی ہوگی —— کیا وہ سکڑ اور سمٹ جائے گا؟

امریکی صدارتی انتخابات میں بل کلنٹن کی کامیابی ایک نئے دور کا آغاز ہے۔ اس دور میں کیا امریکہ اپنی معیشت کی اصلاح کے لئے سمٹ سکڑ جائے گا؟ کیا وہ دروں بینی اختیار کرلے گا اور اس کا عالمی کردار خاصا ہلکا ہوجائے گا؟ صدر بش نیو ورلڈ آرڈر کے لئے بے چین تھے، انہوں نے اس کے لئے امریکی معیشت کی قربانی دے کر برطانیہ، فرانس، جرمنی اور جاپان کے ساتھ ایک اتحاد بنالیا تھا جس میں اگرچہ کافی دراڑیں نظر آتی تھیں لیکن یہ برقرار تھا اور خلیج میں سب کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوگئے تھے۔ اب کیا کلنٹن کے نئے معاشی اقدامات کے نتیجہ میں یہ اتحاد بکھر جائے گا؟ ایک اور اہم سوال یہ ہے کہ کیا چین کے متعلق کلنٹن حکومت کا نیا سخت رویہ ایک اور سرد جنگ کو تو جنم نہیں دے گا جس میں امریکہ اور چین دو زبردست فریق ہونگے؟۔

صدر بش کے زمانے میں ہی چین اور امریکہ کی کشیدگی نے سر اٹھالیا تھا جمہوریت، بنیادی حقوق، قیدیوں سے بے گار لے کر مصنوعات کی تیاری، پاکستان، ایران، لیبیا کو ایٹمی میزائلی ٹیکنالوجی کی فراہمی، روس سے جدید اسلحہ کی خریداری اور تائیوان کو امریکی ایف سولہ طیارے دینے پر چینی احتجاج کے کئی عنوانات سے دونوں ملکوں کے درمیان کھینچا تانی تھی تاہم دونوں نے اسے بڑھنے سے روک رکھا تھا لیکن ڈیمو کریٹس نے ہمیشہ چین کے متعلق سخت رویہ اختیار کیا ہے۔ وہ تبت کا سوال بھی اٹھاتے رہے ہیں اور ان سے کچھ بعید نہیں ہے کہ ایسی پالیسیاں اختیار کریں جس سے دنیا میں نئی سرد جنگ اور نئی بلاک سازی ہو ----

میڈیا کا کردار

صدر بش نے اپنی انتخابی ناکامی کا ایک اہم سبب "میڈیا" کو قرار دیا ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ بہ حیثیت مجموعی صحافیوں کو ۶۸ سالہ بوڑھے بش کے مقابلے میں ۴۶ سالہ کلنٹن زیادہ پسند تھا کیونکہ امریکہ میں آدھے سے زیادہ رپورٹر تیس تا چالیس سال عمر کے ہیں۔ دارالحکومت واشنگٹن کے ۷۱ فی صد صحافی نوجوان ہیں ان نوجوان صحافیوں کے سامنے پرانے صحافیوں کی ایک دیوار تھی جو سرکاری سرپرستی کی حامل تھی اور ان میں سے ہی منتخب افراد وہائٹ ہاؤس کی سرکاری صحافتی ٹیم کے رکن بنتے تھے۔ پرانے صحافیوں کی اس دیوار کو گرانے کے لئے بش کا گرنا ضروری تھا۔ بش کی جگہ کلنٹن کے آنے سے صحافیوں کے پرانے مراعات یافتہ طبقہ کی جگہ نوجوان صحافیوں کا طبقہ لے سکتا تھا اس لئے ان نوجوان صحافیوں میں کلنٹن کے حق میں بڑا جوش و خروش تھا اس سے پہلے ایسا جوش کینیڈی کے الیکشن کے موقع پر بھی تھا۔ اگرچہ کہ عام طور سے مالکان اخبارات دولت مند طبقہ میں ہونے کی وجہ سے بش کے حامی تھے لیکن ان اخبارات کے کارکن دل سے کلنٹن کی کامیابی کے متمنی رہے اور اپنا کام دکھاتے رہے۔ انتخابات میں اخبارات سے کہیں زیادہ ٹی وی کی طاقت سامنے آئی۔ ٹی وی پر بش کو ۱۶۳ اور کلنٹن

کو ۹۲ منٹ ملے لیکن ٹی وی کے نوجوان ڈائریکٹروں نے کلنٹن کو مثبت طریقے سے پیش کیا جبکہ بش کے لئے ان کا انداز منفی تھا۔ اخبارات کے متعلق امریکی عوام کا اب عام تاثر یہ ہے کہ ان کے تبصرے اور تجزیئے جانبدارانہ ہوتے ہیں اور اخبارات کی سٹیبلشمنٹ کے طاقتور عناصر سے ساز باز ہوتی ہے اس کے مقابلے میں ٹی وی اس اعتبار سے بہتر ہے کہ ہم امیدواروں کو براہ راست دیکھ اور سن کر فیصلہ کر سکتے ہیں اس لئے انتخابی مہم میں اخبارات سے زیادہ ٹی وی کے خبرنامے اور اس کی کوریج مرکز توجہ رہی۔ ٹی وی کے تبصرے بھی سٹیبلشمنٹ کے اثر سے آزاد نظر آئے کیونکہ زیادہ تر ٹی وی ڈائرکٹر نوجوان ہیں۔

آزاد امیدوار کی آواز

ارب پتی سرمایہ دار روز پیرٹ کا آزاد امیدوار کی حیثیت سے صدارتی مقابلہ میں آنا ایک نیا واقعہ تھا۔ اگر پیرٹ درمیان میں دستبرداری نہ اختیار کرتے اور اول سے آخر تک جمے رہتے تو ان کے ووٹ جو انیس فی صد ہیں اس سے کہیں زیادہ ہوسکتے تھے لیکن وہ درمیان میں دستبردار ہو کر چلے گئے اور واپسی پر بتایا کہ ان کو دھمکی دی گئی کہ ان کی لڑکی کی عریاں تصاویر اخبارات میں شائع کرائی جائیں گی اس لئے وہ خوفزدہ ہوگئے تھے مگر اب امریکہ کی خاطر انہوں نے مقابلہ میں واپس آنے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ واپس آنے کے لئے لوگوں نے مجھے ہزاروں فون کئے ہیں۔ روز پیرٹ کا ابتدا میں اخبارات نے مضحکہ اڑایا لیکن ان کی باتوں کو لوگوں نے غور سے سنا۔ پیرٹ کا کہنا تھا کہ امریکہ کی ری پبلکن اور ڈیموکریٹ دونوں پارٹیاں بڑے صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کی زر خرید پارٹیاں ہیں ان میں حقیقی معنوں میں کوئی بھی دیانتدار اور آزاد نہیں یہ امریکہ کو تباہی کی طرف لے جارہی ہیں اور امریکہ کی صحافت بھی بددیانت ہے وہ حقائق کو مسخ کرتی ہے۔ روز پیرٹ کا شمار امریکہ کے انیس بڑے دولت مندوں میں ہوتا ہے اور یہ دولت اسے ورثہ میں نہیں ملی تھی اس نے خود کمائی ہے انتخابی مہم پر اس نے چھ کروڑ ڈالر اپنی جیب سے خرچ کئے جبکہ دوسری مد مقابل دونوں پارٹیوں نے اس سے تقریباً دوگنا خرچ کیا۔ روس پیرٹ کی مہم زیادہ تر ٹیلی ویژن پر "ٹائم" وقت لے کر تھی۔ اس نے آدھے آدھے گھنٹے کے کئی پروگرام کئے اور امریکی عوام کو اچھا خاصا متاثر کیا جلسہ جلوس کے لئے اس کے پاس کوئی تنظیم نہیں تھی۔۔۔۔

برصغیر پر اثرات

کلنٹن کی کامیابی سے بھارت اور پاکستان دونوں فکر مند ہوگئے ہیں کیونکہ دونوں پر ایٹم کے سلسلہ میں دباؤ بڑھ جائے گا۔ دونوں کو یہ بھی تشویش ہے کہ انسانی بنیادی حقوق کے حوالے سے امریکی رویہ سخت ہوگا۔ جو کچھ کشمیر میں ہورہا ہے اس پر ڈیموکریٹس خاموش نہیں رہیں گے۔ اور پاکستان میں سندھ کا مسئلہ' اقلیتوں کا مسئلہ ' قادیانیوں کا مسئلہ ان سب کو بنیادی حقوق سے متعلق کردیا جائے گا۔ پاکستان کے لئے ایک پہلو اطمینان کا یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس بے نظیر صاحبہ کی ایسی شخصیت موجود ہے جن کو آگے بڑھا کر وہ کلنٹن انتظامیہ سے کچھ معاملہ کرسکتے ہیں اور بے نظیر پاکستان ' پاکستانی فوج اور پاکستانی سٹیبلشمنٹ کی وکیل بننے کے لئے تیار بھی ہوجائیں گی لیکن اس کے لئے نئے "انتخاب" کی ضرورت ہوگی جس میں صدر اور وزیراعظم دونوں رخصت ہوں ' نئے سرے سے الیکشن ہوں نئے سوشل کنٹریکٹ کی بنیاد پر نئے آئین کے لئے پیش رفت ہو۔ ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جب امریکہ کا رویہ مزید سخت ہوگا اور امریکہ سے کچھ ملنے کی امید بھی نہیں رہے گی تو پاکستانی فوج اور سٹیبلشمنٹ یہ سوچ سکتی ہے کہ جب سر پھوڑنا ہی ٹھہرا تو پھر امریکہ کا سنگ آستان ہی کیوں ہو اور امریکی دباؤ میں آنے کی بجائے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ملک میں ایک سخت گیر حکومت قائم کی جائے اور امریکہ سے قومی آزادی بچانے کے عنوان سے ایک قومی لہر پیدا کی جائے اور امریکہ سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی جائے۔

اطمینان کا ایک پہلو یہ ہے کہ کلنٹن کی بنیادی توجہ امریکہ کی داخلی معیشت اور داخلی حالات پر ہوگی بیرونی ممتوں میں وہ زیادہ توجہ بھی نہیں دے سکیں گے اور جب کلنٹن انتظامیہ کو ملکی حالات پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے کافی وقت درکار ہوگا اس عرصہ میں ہم پاکستان کو امریکہ کے مقابلہ پر کھڑا کرنے کے لئے انتظامات کرسکتے ہیں لیکن یہ سوچ سٹیبلشمنٹ کے ایک حصے کی ہوسکتی ہے۔ دوسرا حصہ وہ بھی ہے جو یہ چاہے گا کہ امریکہ سے تصادم ہر قیمت پر ختم کردیا جائے کیونکہ ہم اس کے متحمل نہیں ہوسکتے یہی دونوں رجحانات بھارتی سیاست اور سٹیبلشمنٹ میں بھی سامنے آئیں گے۔ یہ بہرحال طے ہے کہ کلنٹن انتظامیہ ایٹم' بنیادی حقوق اور جمہوری نظام کے سوال پر بش حکومت سے زیادہ سخت رویہ کی حامل ہوگی۔

عالم عرب کا ردعمل

امریکی صدارتی انتخابات کے نتیجے پر اسرائیل میں خوشیاں منائی جارہی ہیں۔ لیکن کلنٹن کی کامیابی نے عرب حکمرانوں کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے ایک تشویش یہ ہے کہ کلنٹن انتظامیہ جمہوریت پسند عناصر کی مزید پشت پناہی کرے گی اور آمروں ' بادشاہوں ' شیوخ کا اپنی جگہ برقرار رہنا مشکل ہوگا یہ حکمران ذہنی طور پر کلنٹن کی کامیابی کے لئے تیار نہیں تھے انہیں یقین تھا کہ بش ہی فاتح رہے گا۔ عرب عوام کے نزدیک کلنٹن کا جھکاؤ اسرائیل کی طرف رہے گا اور اس کا اثر مشرق وسطیٰ کے امن مذاکرات پر ہوگا۔ بش نے ایک سخت رویہ اختیار کیا تھا دس ارب ڈالر قرضہ کی فراہمی میں رکاوٹ ڈال دی تھی مقبوضہ علاقہ میں یہودی بستیوں کی تعمیر روک دینے کا مطالبہ کیا تھا اور اسرائیل پر امن کے بدلے میں زمین سے دستبرداری کے لئے زور تھا سابق وزیراعظم ان امریکی مطالبات کے جواب میں تن کر کھڑے ہوگئے لیکن نئے انتخابات میں انہیں شکست ہوئی اور اسحاق رابن وزیراعظم بن گئے جو امریکہ کی ہر بات ماننے پر آمادہ نظر آئے لیکن بش کے مقابلہ میں کلنٹن نے اپنی انتخابی مہم میں اسرائیل کی حمایت کا رویہ اختیار کیا۔ ایک موقع پر صاف کہا کہ صدر بش کا عربوں کی طرف جھکاؤ غلط ہے انہوں نے شام کے صدر حافظ الاسد کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا تاہم عرب مبصرین کا کہنا ہے کہ کلنٹن مشرق وسطیٰ کے بارے میں امریکی پالیسی کے مقاصد اور نصب العین کو برقرار رکھیں گے۔

تبدیلی اگر ہوگی تو وہ ترجیحات کو اوپر نیچے کرنے کی ہوگی اور یہ بات کلنٹن بھی جانتے ہیں کہ امریکہ کا زیادہ مفاد عرب دنیا میں ہے شامی وزیر خارجہ فاروق اشرع نے صاف طور پر کہا ہے کہ کلنٹن ایک غیر جانبدار ثالث نہیں ہوسکتے ان کی غیر جانبداری مشتبہ ہے مگر بعض عرب حلقوں کا

خیال ہے کہ الیکشن جیتنے کے لئے یہودی لابی کو خاموش کرنا ضروری تھا اور انتخابی ضروریات کے پیش نظر کہی گئی باتوں کی اہمیت نہیں ہے اور کلنٹن بہ حیثیت صدر امریکہ جانبداری کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ مصر اور اردن کے سرکاری حلقوں میں یہی نقطہ نظر پایا جاتا ہے اردن کے وزیر خارجہ نے کہا کہ بش بھی کوئی عربوں کے حامی نہیں تھے بش کو خواہ مخواہ عربوں کا حامی فرض کر لیا گیا۔ سعودی عرب میں یہ سمجھا جارہا ہے کہ امریکہ سے ۷۲ جدید جنگی طیارے اور دوسرا سامان جنگ خریدنے کا جو معاہدہ ہوا ہے اس میں کلنٹن رکاوٹ ڈال سکتے ہیں کیونکہ اس سودے پر اسرائیل نے اعتراض کیا تھا اور اسے بش نے مسترد کردیا تھا۔ اس موقع پر کئی ڈیموکریٹ ارکان نے کہا تھا کہ یہ سودا اسرائیل کی سلامتی کے لئے خطرہ ہے کلنٹن نے یہودیوں کے کئی اجتماعات میں اپنی انتخابی تقریر میں صدر بش کو پرو عرب پالیسی' کا ملزم قرار دیا تھا اور کہا تھا کہ اسرائیل کے ساتھ ان کا سخت رویہ نامناسب ہے کیونکہ اسرائیل علاقہ میں تنہا جمہوری نظام کی علامت ہے اور یروشلم ناقابل تقسیم ہے اسے اسرائیلی دارالحکومت کے طور پر رہنا چاہیے اور فلسطینی اپنی الگ ریاست قائم نہیں کرسکتے۔

کلنٹن نے اسرائیل کی فوجی برتری قائم رکھنے کی ضرورت پر بھی زور دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر وہ بر سر اقتدار آگئے تو وہ سعودی عرب پر اسرائیل کا بائیکاٹ ختم کرنے کے لئے دباؤ ڈالیں گے۔ فرانس کے ایک رسالہ سے انٹرویو میں کلنٹن نے کہا وہ شام کے خلاف سخت رویہ اختیار کریں گے۔ امریکہ نے پہلے ہی صدام کی خوشامد کر کے اسے سر پر چڑھا لیا اور مصیبت بنا لیا تھا۔ ہم غلطی نہیں کریں گے حافظ الاسد نے اپنے ملک میں ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہے لبنان میں قبضہ کر رکھا ہے اور دہشت گردوں کی امداد کررہا ہے۔ یہ سب ہم نظرانداز نہیں کرسکتے۔

عرب حکمرانوں میں عام خیال یہ ہے کہ آئزن ہاور کے بعد بش دوسرا آدمی تھا جس سے عربوں کو خیر کی توقع تھی لیکن کلنٹن سے بڑا شر پیدا ہوگا اور عرب حکمرانوں کا یہ خیال کچھ غلط بھی نہیں ہے کہ اگرچہ کہ بش بھی مصالحت کے نام پر اسرائیل کو عربوں پر بالادست بنایا چاہتے تھے اور عرب یا فلسطینی رہنما دب کر سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار بھی تھے لیکن کلنٹن انتظامیہ کا رویہ بہت اسرائیل نوازی کا ہوگا اور پھر خود عرب حکمران اپنی ذات کے لئے بھی خطرہ محسوس کررہے ہیں۔

عراق کا ردعمل

صدارتی انتخابات کے دوران یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مشرق وسطیٰ میں سارا کیا دھرا امریکہ کا ہے۔ یہ امریکہ ہی تھا جس نے شاہ ایران کے منی سپرپاور بننے کے عزائم کو ناپسند کیا اور ایران میں علماء کے ذریعہ انقلاب برپا کرادیا اور جب یہ ایرانی انقلاب ایک مسئلہ بن گیا تو عراق سے کہا کہ ایران پر حملہ کردو اور امریکہ چوری چوری ایران اور عراق دونوں کو اسلحہ دیتا رہا اس کے بعد یہ بش صاحب تھے کہ انہوں نے صدام کی پیٹھ ٹھونکی اور اسے کویت پر چڑھ جانے کا مشورہ دیا اور جب صدام نے اس مشورہ پر عمل کیا تو بش نے خلیجی جنگ برپا کردی الیکشن' مباحثوں' تقریروں اور انتخابی پروپیگنڈہ کے دوران یہ سب کچھ بے نقاب ہوگیا اور اس کی دستاویزی شہادتیں بھی اخبارات میں شائع کی گئیں۔ بش تو اب چلے گئے لیکن صدام اپنی جگہ پر ہیں۔ بغداد میں بش کے اقتدار کے خاتمے کی بڑی خوشیاں منائی گئی ہیں اور کہا جارہا ہے کہ کلنٹن کا رویہ بش کے رویہ سے زیادہ معاندانہ کیا ہوسکتا ہے۔

اسرائیل کی امداد

اسرائیل میں کلنٹن کی آمد پر ہر طرف خوشیوں کا اظہار کیا جارہا ہے لیکن یہ بھی محسوس کیا جارہا ہے کہ اب امریکہ کی اسرائیل کے لئے اقتصادی اور فوجی امداد میں کمی ہوگی کیونکہ کلنٹن معیشت کی اصلاح کے لئے امداد میں کٹوتی پر مجبور ہونگے۔ اسرائیل دنیا میں سب سے زیادہ امریکی امداد لینے والا ملک ہے اسے سالانہ تین ارب ڈالر کی اقتصادی اور فوجی امداد ملتی ہے جبکہ اس کی آبادی صرف پچاس لاکھ ہے اور تمام امداد قرضوں کی بجائے گرانٹ کی شکل میں ہے۔ دنیا میں کل امریکی امداد کا ۳۸ فی صد اسرائیل کو ملتا ہے اور ۱۹۹۳ء میں یہ تناسب ۴۴ فی صد ہوگا۔ اس کا وعدہ بش دور میں ہی کر لیا گیا تھا۔ اسرائیل کے لئے امریکہ کی فوجی امداد کل امداد کا ۴۴ فی صد تھی جبکہ نئے ۱۹۹۳ء کے سال میں یہ ۵۴ فی صد ہوگی اس کے علاوہ امریکی ضمانت پر دس ارب ڈالر کا قرضہ الگ ہے جو روسی یہودیوں کی آباد کاری کے لئے آئندہ پانچ سالوں میں دیا جائے گا مگر کلنٹن کی فتح یابی کے بعد دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی کے رہنما نے کہا کہ جہاں تک اقتصادی امداد کا تعلق ہے' آنے والے سالوں میں اب یہ کم ہوتی جائے گی امریکہ اس قابل نہیں رہا ہے کہ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی ہماری امداد جاری رکھ سکے اسرائیل کے کئی فوجی ریسرچ پروگرام کے اخراجات بھی امریکہ ادا کرتا تھا مگر اب امریکہ اس طرح کی تمام چیزوں سے ہاتھ کھینچ لے گا۔

چین جاپان پر اثرات

ایشیا میں جاپانیوں کو یقین ہے کہ نئی امریکی انتظامیہ تجارتی معاملات میں جاپان سے سخت رویہ اختیار کرے گی امریکی منڈی میں جاپانی مصنوعات کو مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا اور امریکہ میں کام کرنے والی جاپانی کمپنیاں ٹیکسوں میں اضافہ کے علاوہ بھی کچھ اور رکاوٹوں کا شکار ہوسکتی ہیں۔ امریکی سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کا ایک حلقہ عرصے سے حکومت پر تنقید کررہا تھا کہ اس نے جاپانی مال کو چھوٹ دے رکھی ہے جس سے امریکی صنعت اور تجارت متاثر ہورہی ہے۔ صدر بش کے زمانہ میں بھی امریکی جاپان ٹکراؤ خاصا ہوگیا تھا اور کلنٹن کے دور میں یہ مزید بڑھ سکتا ہے اس وقت امریکہ کو جاپان سے تجارت میں کافی خسارہ ہے پچھلے سال یہ خسارہ بہتر ارب ڈالر سے زیادہ کا تھا اس سال اپریل سے ستمبر تک کے عرصہ میں یہ خسارہ اکیس ارب ڈالر سے زیادہ کا ہوگیا ہے۔

چین میں کلنٹن کی کامیابی کو غیر متوقع نہیں سمجھا گیا اور چینی حکام پہلے ہی سے چین امریکہ ٹکراؤ کو دیکھ رہے تھے۔ صدر بش کے مقابلے میں کلنٹن بنیادی حقوق اور جمہوریت کے حوالے سے چین کے ساتھ اور بھی سخت رویہ اختیار کریں گے صدر بش نے کانگریس کی مخالفت کے باوجود چین پر تجارت میں ترجیحی بلاک کے قانون کا اطلاق کیا تھا اور کانگریس کی مخالفت کو ویٹو کردیا تھا لیکن ڈیموکریٹس نے اس پر بڑا شور مچایا تھا کہ جمہوریت کو بے دردی سے کچلنے والی چینی حکومت رعایتی سلوک کی مستحق کیوں ہے اور امریکہ کی منڈی میں چین کا جو سستا مال آتا ہے وہ اس لئے سستا ہے کہ چین میں یہ مال قیدیوں سے بے گار لے کر بنایا جاتا ہے۔ صدر بش کہتے تھے کہ ہم چین پر دباؤ ڈال رہے ہیں لیکن چین میں تبدیلی کے لئے

چین سے رابطہ رکھنا ضروری ہے ۔ ایک بڑا اعتراض یہ بھی تھا کہ چین میزائل اور میزائل ٹیکنالوجی پاکستان ایران اور لیبیا کو فراہم کررہا ہے اور خود بھی روس سے جدید جنگی سازو سامان حاصل کررہا ہے اس سے تائیوان کی سلامتی کو بھی خطرہ ہوگیا ہے اور ہمارے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ تائیوان کو ایف سولہ طیارے دیں ۔ یہ طیارے دینے کے فیصلے پر چین نے امریکہ سے زبردست احتجاج کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم اس کی پروا نہیں کریں گے کہ امریکہ سے تجارت میں ہمیں پندرہ ارب ڈالر سالانہ کی آمد ہوتی ہے ۔ کیونکہ ہمارے سر پر تائیوان کو مسلط کرنا ایسی چیز نہیں ہے کہ جو ہم برداشت کرلیں ادھر تائیوان کو یہ فکر ہے کہ اگر امریکہ نے چین سے تجارتی ترجیحی سلوک ختم کیا اور امریکہ چین کے درمیان کشیدگی پیدا ہوگئی تو اس کا اثر ہم پر بھی ہوگا اور چینی مارکیٹ میں داخل ہونے کی جو کامیابی ہمیں حاصل ہوگئی ہے وہ متاثر ہوگی سنگاپور کو بھی یہی تشویش ہے سنگاپور میں امریکہ کے سابق سفیر اور موجودہ گشتی سفیر نے کہا ہے کہ چین کے ساتھ تصادم مول لینا کسی کے مفاد میں نہیں ہوگا اور کلنٹن کو اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ جنوبی کوریا کے تاجروں نے اس اندیشہ کا اظہار کیا ہے کہ اب امریکہ زیادہ سخت تجارتی پالیسی اختیا کرے گا اور اس سے کوریا کو نقصان ہوگا

ایک مسئلہ جنوبی چین اور بحرالکاہل کے سمندر کا ہے جہاں چین اپنی طاقت بڑھا رہا ہے ۔ چین کے فوجی بجٹ میں بھی پچاس فی صد اضافہ ہوا ہے ۔بحرالکاہل میں امریکی افواج کے کمانڈر نے حال ہی میں چین کو خبردار کیا ہے کہ وہ علاقہ کے چھوٹے ملکوں پر اپنا غلبہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرے اس سمندر میں علاقائی حدود اور بعض جزائر کے بارے میں تنازعات ہیں ان میں چین کے مقابلے میں فلپائن' ویت نام ' ملائشیا ' تائیوان ' برونائی فریق ہیں ۱۹۸۰ء میں چین کی بحریہ نے ویت نام کے جہازوں کے خلاف کارروائی بھی کی تھی ایک عرصہ سے یہ بحث چل رہی ہے کہ جنوب مشرقی ایشیاء سے امریکی اور روسی بحری طاقت کے ہٹنے کے بعد جو خلاء پیدا ہوگا وہ کون پر کرے گا اس کے لئے چین بھارت اور جاپان آگے بڑھ سکتے ہیں۔ بھارت اور چین نے تو اس غرض کے لئے اپنی بحریہ کو کافی مضبوط بھی بنایا ہے ۔ فرانس کے نائب وزیرخارجہ نے بھی کچھ عرصہ پہلے اس علاقہ کے دورہ میں چین کو خبردار کیا تھا کہ وہ اپنا غلبہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرے اس پس منظر میں ڈیموکریٹ صدر کے چین کے خلاف رویہ اور سخت پالیسی سے چین امریکہ سرد جنگ ہوسکتی ہے جو علاقہ کے دوسرے ملکوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لیگی۔

روس کے بارے میں رویہ

روس میں یہ خیال ہے کہ صدر بش روس کی امداد روک روک کر دینے کے حامی تھے لیکن کلنٹن ایسے محسوس کریں گے کہ امداد میں ست رفتاری سے موجودہ روسی حکومت کی اصلاحات کی ناکامی کا خطرہ ہے لیکن ڈیموکریٹ پارٹی میں ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ بورس یلسین جمہوریت قائم کرنے میں ناکام رہے ہیں اور وہ آرڈیننسوں اور صدارتی فرامین کے ذریعے حکومت کررہے ہیں رائے عامہ ان کی مخالف ہوگئی ہے اور انہیں مغربی پٹھو سمجھا جارہا ہے اس لئے یلسین کا سہارا بننے کی بجائے انتظار کرنا چاہیے اور امریکہ کے لئے روس کی بڑے پیمانہ پر مالی امداد ممکن بھی نہیں ہے اس لئے زیادہ توقعات پیدا کردینا غلط ہوگا۔

یورپ پر اثرات

" امریکہ اور یورپ کے درمیان تجارت اور زراعت کے مسائل پر دو سالہ بات چیت کے باوجود کوئی اتفاق رائے نہیں ہوسکا ہے اور اس معاملہ میں یورپ امریکہ کو ملزم قرار دے رہا ہے اور امریکہ کا یہ مطالبہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ یورپی ممالک زرعی اجناس پر اپنی سبسڈیز کم کردیں امریکہ نے یورپ کو یہ دھمکی بھی دے رکھی ہے کہ امریکہ میں یورپی سامان پر نئے محصول عائد کردئے جائیں گے یورپ میں متحدہ یورپ کے حامی یہ بھی سمجھتے ہیں کہ امریکہ در پردہ اس کی مخالفت کرتا رہا ہے کیونکہ یورپ کی متحدہ معیشت سیاست اور دفاع کا نظام یورپ سے امریکہ کو بے دخل کردیا گا اب دیکھنا یہ ہے کہ کلنٹن یورپ کے معاملات اور مسائل کے سلسلہ میں کیا راہ اختیار کرتے ہیں ابھی یورپ میں کلنٹن کی خارجہ پالیسی یا یورپی پالیسی کے خدو خال واضح ہو کر سامنے نہیں آئے ہیں لیکن یہ طے ہے کہ کلنٹن کی آمد سے مشرق تا مغرب سارے سربراہان حکومت اور حکومتی طبقہ میں پریشانی ہے خاص طور پر اس لئے بھی کہ نئی کلنٹن خارجہ انتظامیہ جو بش انتظامیہ کے تقریباً چار ہزار افراد کی جگہ لے رہی ہے بیشتر ناتجربہ کاروں اور جذباتی عناصر پر مشتمل ہے اس پارٹی کو نوجوان عورتوں ' کالوں اخلاقی پابندیوں سے آزادی کے خواہش مندوں اور معاشی پریشانیوں کے شکار عوام کے غم و غصہ نے کامیاب بنایا ہے لیکن پارٹی کے پاس کوئی تجربہ کار اور صاحب بصیرت قیادت نہیں ہے جبکہ ری پبلکن کے مختلف مافیا کلنٹن کو آسانی سے حکومت نہیں کرنے دیں گے اور کینیڈی کی طرح انہیں قتل بھی کرسکتے ہیں ۔○○

بقیہ اداریہ

شناخت کے بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں چھوڑا۔ کون نہیں جانتا کہ یہ سارا فتنہ اسی ایک مختصر سی اقلیت کا اٹھایا ہوا ہے جسے ان کے پاپا نے ہی غیر مسلم قرار دلوایا تھا۔ مذہب کی پہچان سے پاکستان کی کسی بھی اقلیت کا کوئی نقصان نہیں ہوتا سوائے قادیانیوں کے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلوانے پر مصر ہیں اور حسب ضرورت بھیس بدلنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے ۔ یہ انہی کی پرکاری ہے جو عیسائیوں پر بھی چل گئی ' دین و مذہب سے بیزار نام نہاد مسلمانوں کو بھی زبان دینے میں کامیاب ہوئی اور ایک ذرا سی بات کو اسلام اور سیکولرزم کی کشمکش کا نیا عنوان بھی بنا گئی ہے۔

ملکی سیاست کو پیپلزپارٹی کی ایک متبادل سیاسی قوت کے طور پر ضرورت تھی اور ہم اس ضرورت کے ہمیشہ قائل رہے لیکن پارٹی کی قیادت نے اگر یوں کھل کر اسلام کے مقابلے میں آنے کا فیصلہ کرلیا ہے تو اسے جان لینا چاہیے کہ اس کا یہ شعوری یا غیر شعوری رجحان ملکی سیاست میں اس کے کردار کو حتمی طور پر ختم کرکے چھوڑے گا کیونکہ مسلمانوں پر مشتمل پاکستان کی آبادی کی عظیم اکثریت عملی سیکولرزم کو اختیار تو کرسکتی ہے ' کئے ہی بیٹھی ہے ' نظری سیکولرزم کو ہرگز برداشت نہ کرے گی ۔ پیپلزپارٹی کا پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانے کا خواب ان شاء اللہ کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔○○

نظام خلافت کے خدوخال کا تحقیقی جائزہ

خلافت دراصل رسالت کی نیابت ہے

موجودہ نظام سے چھٹکارے کے لئے انقلاب ناگزیر ہے

انتخابی مہم جوئی کو امیدواری سے زیادہ خطرناک سمجھا جانا چاہیے

(مفتی) محمد خاں قادری

جناب مفتی محمد خاں قادری صاحب نے سیاست خلافت پر منعقد ہونے والے چوتھے مذاکرے (۱۷ر اکتوبر ۱۹۹۳ء) میں اپنا یہ مقالہ پڑھ کر سنایا تھا اور پھر ہمیں اشاعت کے لئے بھی عنایت کردیا۔ انہوں نے سٹیج سے ہی یہ وضاحت کردی تھی اور یہاں بھی ہم اس کا ذکر کررہے ہیں کہ اس مقالہ کی تیاری میں ان کے رفیق کار جناب خلیل الرحمٰن قادری کا علمی تعاون انہیں حاصل رہا ہے۔ (مدیر)

محترم صدر مجلس، داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، مہمانان گرامی اور محترم سامعین!

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن و سنت ہی وہ بنیادی ماخذ ہیں جن کی طرف امت مسلمہ کو اپنے ہمہ پہلو مسائل کے حل کے لئے رجوع کرنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم اپنی اس شان ہمہ گیریت کو خود بھی یوں بیان کرتا ہے۔ "ولا رطب ولا یابس الا فی کتب مبین"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امت کو قرآن و سنت کے دامن سے چمٹے رہنے کی تاکیدا ہدایت فرمائی اور مسلمانوں کی فلاح کا راز بھی قرآن و سنت کے ساتھ تمسک ہی میں مضمر قرار دیا۔

یہ بھی کھلی حقیقت ہے کہ عالم انسانیت کو درپیش مختلف النوع مسائل کے حل کے حوالے سے قرآن و سنت کا گنج بے مثل اساسی اور بنیادی ہدایت بہرصورت فراہم کرتا ہے۔ لیکن جب انسان ان مسائل کی تفصیلات طے کرنے بیٹھتا ہے تو بسا اوقات اپنے عجز و نقص کے باعث ہی سہی ان تفصیلات کو طے نہیں کر پاتا۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں عصری مسائل کا حل تلاش کرنے کے حوالے سے ہم ایک مغالطہ کھائے ہوئے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن وسنت نے ابدالاباد تک پیدا ہونے والے متفرق مسائل کا تفصیلی حل فراہم کر دیا ہے۔ حالانکہ قرآن وسنت نے انسانیت کو درپیش تمام مسائل کے حل کیلئے اساسی ضابطے فراہم کئے ہیں۔ اور ان کی تفصیلات کا تعین ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اہل علم و دانش پر چھوڑدیا ہے کہ وہ اجتہاد کے عمل کو جاری رکھتے ہوئے ان مسائل کی تفصیلات قرآن وسنت کی فراہم کردہ اساسی ہدایت کی روشنی میں طے کرتے رہیں۔ لیکن شومئی قسمت سے ہم نے اجتہاد کا راستہ ترک کرکے اپنے اوپر ایسا فکری جمود مسلط کرلیا ہے کہ ہم زمانے کی رفتار کا ساتھ دینے سے معذور ہوگئے ہیں۔

ہماری اس سستی اور کج روی پر مشترقین الگ زبان طعن دراز کرتے ہیں کہ اسلام عصر حاضر میں قابل عمل دین نہیں رہا۔ ملت اسلامیہ کے باشعور اور دردمند حضرات الگ مشوش ہیں کہ ہر شعبہ زندگی میں اسلامی نظام کی موثریت، حقانیت اور تفوق کو کیسے اجاگر کیا جاسکے۔

ہمارا دوسرا المیہ یہ ہے کہ ہم ان اجتماعی اور ملی معاملات کے حوالے سے بھی "ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجد" بنانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ جو کام سر جوڑ کر ہی انجام دیئے جا سکتے ہیں، انہی پر ایک دوسرے کا سر پھوڑنے کی نوبت آجاتی ہے۔ اس علمی انحطاط، فکری بانجھ پن اور انتشار و خشت کے دور میں اگر کوئی ایسے سنجیدہ عملی مسائل پر مل جل کر کام کرنے کی دعوت دے تو ملت اسلامیہ کے ساتھ دردمندی اور اخلاص کا تقاضا بنتا ہے کہ تمام تر عملی، فکری اور تحریکی نوعیت کے اختلافات کو پس پشت ڈال کر بلا امتیاز مسلک و مشرب دل و جان کیساتھ اس دعوت پر صدائے لبیک سربلند کی جائے۔

انہی جذبات کے ساتھ آج ہم اس مجلس میں حاضر ہیں اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو ہدیہ تبرک پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ طرح ڈالی ہے کہ ملک و ملت کے اجتماعی مسائل کا حل تلاش کرنے کے حوالے سے تمام مسالک اور مکاتب فکر کے علماء و دانشور حضرات کو اکٹھا کیا جائے۔ ان کے خیالات سنے جائیں اور یوں ان کے مابین اتفاق رائے کی فضا پیدا کی جا سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کار خیر کی شروعات کے طور پر جس مسئلہ کو اٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ عصر حاضر میں اسلامی ریاست یا نظام خلافت کا سیاسی و دستوری ڈھانچہ کیا ہو۔

اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ کم و بیش ہر مکتبہ فکر کے علماء نے اس پر قلم اٹھایا ہے۔ ان علمائے کرام کی تحقیقات یقیناً لائق صد ستائش ہیں لیکن ہمیں یہ کہنے میں بھی باک نہیں کہ ابھی اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھنے کی گنجائش بدستور موجود ہے۔

آج یہ تو کہا جاتا ہے کہ جب تک قوت نافذہ ہمارے ہاتھ نہیں آتی اسلامی نظام کیسے نافذ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ غور نہیں کیا جاتا کہ مذہبی سیاسی جماعتوں کی نصف صدی پر محیط جدوجہد کے باوجود انہیں لیلائے اقتدار تک رسائی حاصل کیوں نہیں

ہو سکی۔ اس ناکامی کی بہت سی دیگر وجوہ کے علاوہ ایک نمایاں وجہ یہ بھی ہے کہ قوت نافذہ حاصل کر کے اسلامی نظام کی تنفیذ و ترویج کا دعوی کرنے والے ان حضرات نے کبھی پلٹ کر یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ قوت نافذہ کس باطل نظام کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

یہ تو درست ہے کہ قوت نافذہ کے حصول کے بعد ہی اسلامی نظام کا نفاذ ممکن ہے لیکن یہ کہاں تک درست ہے کہ ہم قوت نافذہ کے آرزو مند تو اسلامی نظام کی تنفیذ کی خاطر رہیں اور قوت نافذہ کے حصول کیلئے ہمیں نہ تو اسلام کے سیاسی نظام کی احتیاج رہے اور نہ ہی شریعت کے معینہ اصول و ضوابط کی پابندی کی ضرورت۔ ڈاکٹر اسرار صاحب نے نظام خلافت کی تشکیل کے حوالے سے چند اساسی دستوری نکات پر زور دیا ہے۔ ہماری تجویز تو یہ ہے کہ ہمیں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے پورے کے پورے دستور کی "اسلامائزیشن" پر اولین توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ اگر ہم اپنے سیاسی نظام کو اسلامائز کرنے میں یعنی اسے قرآن و سنت کی تعلیمات کے تابع کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اقتصادی، تعلیمی، انتظامی اور سماجی، جملہ نظام ہائے کار بلا دقت قرآن و سنت کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھل جائیں گے۔ ہم اس سلسلہ میں اپنی عاجزانہ کوشش بروئے کار لا رہے ہیں اور جلد ہی ان کاوشوں کے ثمرات کو منظر عام پر بھی لائیں گے۔ آج کی شب میں اظہار خیال چونکہ ڈاکٹر صاحب کی پیش کردہ تجاویز کی روشنی میں کرنا ہے اس لئے دیگر تجاویز سے صرف نظر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب ہی کی تجاویز کو زیر بحث لاتے ہیں۔

اسلامی ریاست کی دو امتیازی بنیادیں

ڈاکٹر صاحب نے مجوزہ اسلامی ریاست کو مروجہ سیکولر جمہوری اقدار کی حامل ریاست سے دو بنیادوں پر مختلف قرار دیا ہے۔ اول یہ کہ اس ریاست میں حاکمیت مطلقہ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کیا جائے۔ ثانیاً یہ کہ اس کی مکمل شہریت وطنی قومیت پر مبنی ریاست کے برعکس اس کی جغرافیائی حدود کے اندر رہائش پذیر ہر شخص کو نہیں بلکہ ہر مسلمان کو حاصل ہوگی۔ اسی طرح غیر مسلموں کو نہ تو قانون سازی کے عمل میں شریک کیا جا سکے گا اور نہ ہی اعلیٰ سطح کی پالیسی اور حکمت عملی کی تربیت و تشکیل میں۔

حاکمیت الٰہیہ کی دو قسمیں

جہاں تک اللہ جل شانہ کیلئے حاکمیت مطلقہ کا حق تسلیم کرنے کا تعلق ہے تو اس میں سرمو اختلاف کی گنجائش نہیں۔

لیکن ہمیں یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اللہ رب العزت کی حاکمیت کی دو جہتیں ہیں۔ ایک تکوینی اور دوسری تشریعی۔ تکوینی حاکمیت سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک وہی ہے۔ اسی طرح تشریعی حاکمیت سے مراد یہ ہے کہ تنہا اسی کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے بندوں کے لئے نظام زندگی وضع کرے اور قانون بنائے۔ تشریعی حاکمیت کے مظہر اس کے انبیاء ہوئے ہیں جو انسانیت تک اس کے احکام پہنچاتے ہیں اور اس کے اوامر و نواہی کی تفصیلات بتاتے ہیں۔ اللہ چاہتا تو اپنے احکام ہر فرد کے دل میں براہ راست ڈال دیتا اور ہر شخص سے مخاطب ہو کر اپنے اوامر و نواہی سے آگاہ کر دیتا لیکن اس خالق عظیم نے متعدد حکمتوں کی بناء پر ایسا نہیں کیا بلکہ اس مقدس فریضہ کیلئے نظام نبوت و رسالت بپا کیا۔

جب نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تشریعی نیابت کا مرحلہ آیا تو اللہ رب العزت نے تمام فرق مٹا دیئے۔ فرمایا۔ "وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی"۔ چنانچہ یہ امر مسلم ہو جاتا ہے کہ اللہ رب العزت کی تشریعی حاکمیت کا اقرار کریں۔

کلمہ طیبہ میں لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ رب العزت کی تکوینی حاکمیت کا اقرار اور محمد رسول اللہ علیہ وسلم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کی صورت میں اللہ رب العزت کی تشریعی حاکمیت کا اقرار ہے لہٰذا اللہ رب العزت کی حاکمیت مطلقہ کا اقرار اس صورت میں قابل قبول ہے کہ ہم اس کی تکوینی حاکمیت کے ساتھ ساتھ تشریعی حاکمیت کا بھی اقرار کریں جو اقرار رسالت کے ساتھ مستلزم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ ہیں اور باقی تمام مسلم حکمران خلیفۃ الرسول تو بن سکتے ہیں، خلیفۃ اللہ نہیں۔ ابن خلدون نے خلافت کے بارے میں کہا کہ خلافت در اصل صاحب شریعت یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا ایسا منصب جس کا مقصد دین کا تحفظ اور امور دنیا کو احسن طریقے سے چلانا ہے۔" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عمل سے اس تصور پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ کہنے سے منع کرتے ہوئے کہا میں تو خلیفۃ الرسول ہوں۔

اس لئے تمام صحابہؓ اور مسلمان آپ کو خلیفۃ الرسول کہا کرتے تھے۔ طبرانی مستدرک حاکم اور ابن عساکر میں یہ ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ جب کسی کی طرف تحریر بھجواتے تو اس پر دستخط کرتے ہوئے خلیفۃ الرسول کے الفاظ لکھتے۔ لہٰذا اب ابد الاباد تک اسلامی ریاست کے دستور اساسی میں قرآن و سنت کی نظام اور قانون دونوں پر بلا استثناء اور غیر مشروط بالا دستی اصل الاصول کی حیثیت سے ثبت ہوگی۔

اسلامی قومیت کا مسئلہ

ہمیں ڈاکٹر صاحب کی اس تجویز سے تو اتفاق ہے کہ اسلامی ریاست کی متفقہ (پارلیمنٹ) میں غیر مسلم کو شامل نہیں کیا جا سکتا یا بالفاظ دیگر کوئی غیر مسلم مروجہ نظام میں قومی اسمبلی/سینٹ کا رکن نہیں بن سکتا۔ لیکن ہمیں اس رائے سے اختلاف ہے کہ غیر مسلم پر مقننہ کی رکنیت کے حق پر قدغن کے ساتھ ساتھ اسے مقننہ کے اراکین کے انتخاب میں ووٹ دینے کے حق سے بھی محروم کر دیا جائے۔

ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ ہم اراکین کے انتخاب کے حوالے سے غیر مسلموں کے حق رائے دہی کے جواز میں نہ تو کوئی نص پیش کر سکتے ہیں اور نہ ہی دور خلافت راشدہ سے کوئی نظیر لیکن ہمیں اس امر کا بھی غالب گمان ہے کہ غیر مسلموں کے حق رائے دہی کے عدم جواز میں بھی کوئی شرعی سند پیش کرنا اتنا ہی دشوار ہے۔ لہٰذا ہماری دانست میں غیر مسلموں کو حق رائے دہی سے محروم کرنا کوئی ایسا شرعی ضابطہ نہیں جو پہلے سے متعین شکل میں موجود ہو یا جس سے انحراف شرعاً ایک ناجائز اقدام قرار پائے۔ ویسے بھی پاکستان میں مقیم

غیر مسلموں پر ان شرعی قوانین کا اطلاق نہیں ہوگا جو اسلام نے ذمیوں کیلئے وضع کیے ہیں۔

غیر مسلم رعایا کی دو اقسام

اسلامی ریاست کے اندر غیر مسلم رعایا دو نوعیت کی ہوتی ہے۔ ایک تو وہ جنہوں نے اسلامی حکومت سے شکست کھانے سے پہلے اس کے اقتدار سے مرعوب ہو کر یا اس کی اخلاقی سیاسی و معاشی برتری سے متاثر ہو کر یا اپنے مصالح و مفاد کو پیش نظر رکھ کر ایک معاہدہ کے تحت اپنے آپ کو اس کی ماتحتی میں دے دیا ہو۔ ان غیر مسلموں کو اہل صلح یا معاہد کہا جاتا ہے۔ دوسری وہ جنہوں نے اسلام کے خلاف جنگ کی اور مفتوح ہونے کے باعث اسلامی ریاست کی اطاعت پر مجبور ہوگئے ہوں۔ انہیں اہل عنوہ کہا جاتا ہے۔

اسلامی ریاست میں معاہد اور اہل عنوہ دونوں کے حقوق میں نمایاں فرق ہے۔ اہل عنوہ کے حقوق تو قانون کے ذریعے محفوظ کر دئے گئے ہیں جب کہ معاہد کے حقوق وہ معاہدہ متعین کرتا ہے جو اسلامی ریاست اور اہل صلح کے مابین طے پاتا ہے۔ اس بنیادی فرق کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم پاکستان کے غیر مسلموں کی حیثیت متعین کریں تو بلا تامل یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ اہل عنوہ کے زمرے میں نہیں بلکہ اہل صلح کے زمرے میں آئیں گے۔

گویا پاکستان کے غیر مسلموں کو جس معاہدہ کے تحت اپنی رعایا کے طور پر قبول کیا گیا' اگر اس میں ان کا حق رائے دہی واقعتاً درج ہو تو انہیں یہ حق دینے میں شرعاً کوئی عذر مانع نہیں رہتا۔ ۱۹۴۹ء میں تشکیل دی گئی دستوری کمیٹی نے پاکستان کی غیر مسلم رعایا کے متعلق یہ سفارش کی تھی کہ مصالح کی بنیاد پر ان پر جزیہ عائد نہ کیا جائے۔ کمیٹی کی اس سفارش پر ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک کمیٹی کی یہ سفارش روح اسلام کے عین مطابق ہے" (مقدمہ احکام اہل ذمہ ص ۹۲)۔ علامہ ابن قیمؒ نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ معاملات طے کرنے کے حوالے سے لکھا ہے کہ "اسلامی ریاست کے سربراہ کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ کوئی معاہدہ بھی کر سکتا ہے" (مقدمہ احکام اہل الذمہ ص ۶۹۰)۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں اہل فدک اور اہل نجران کیساتھ ایسے معاہدات کئے گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں نصاریٰ بن تغلب کے ساتھ ایسا معاہدہ کیا گیا۔ ان معاہدات کی تفصیلات کتب میں موجود ہیں لیکن ان سے زیر بحث مسئلہ پر کوئی رہنمائی میسر نہیں آتی۔ اگر دور خلافت راشدہ میں ہجر' بحرین' ایلہ' دومتہ الجندل اذرخ' بیت المقدس' دمشق' شام کے اکثر شہر' بلاد جزیرہ' مصر' خراسان وغیرہ کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ کئے گئے معاہدات کی تفصیلات مل جائیں تو شاید ان سے پتہ چل سکے کہ ان معاہدات میں اہل صلح کو حق رائے دہی حاصل تھا کہ نہیں۔ اس مسئلے کو اس طرح بھی سمجھنا چاہئے کہ اسلام اپنی غیر مسلم رعایا کو حکومت' اس کے نظم ونسق' اس کی پالیسیوں اور کارکنوں پر بحث و تنقید کا پورا حق دیتا ہے۔ یہ بات بڑی عجیب لگتی ہے کہ آپ انہیں حکومت اور کار پردازان حکومت اور ان کے جملہ امور پر حق تنقید تو دیں لیکن اس حکومت کی تشکیل میں انہیں سرے سے کوئی جگہ نہ دیں۔ رہ گیا معاملہ مروجہ جمہوری اقدار کا تو وہ بھی اس امر کی مقتضی ہیں کہ غیر مسلموں کو حق رائے دہی سے محروم نہ کیا جائے۔

غیر مسلم اور انتظامی معاملات

اس سلسلے میں دوسرا متعلقہ مسئلہ بھی واضح ہوجانا چاہیے' وہ یہ کہ غیر مسلم رعایا اسلامی ریاست کے انتظامی معاملات میں کس قدر دخل انداز ہوسکتی ہے۔ ہماری رائے ہے کہ مقننہ کے علاوہ غیر مسلموں کو ریاست کے نظم و نسق کے حوالے سے اہم ذمہ داریاں دی جاسکتی ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے مصر میں قبطیوں کے ایک بڑے لیڈر بن یامین کے بارے میں گورنر مصر کو لکھا کہ وہ انتظام ملک میں ان سے مشورہ لیں چنانچہ انہوں نے اسے قبطیوں کے سارے پرسنل لاء کا ذمہ دار بنایا۔ غیر مسلموں کا اسلامی جہاد میں شریک ہونا تو دور خلافت راشدہ بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ظاہری حیات سے ثابت ہے۔ ہماری عاجزانہ رائے ہے کہ مقننہ کو چھوڑ کر غیر مسلم اسلامی ریاست میں ہونے والے دیگر انتخابات جیسے لوکل باڈیز وغیرہ میں ووٹ ڈالنا تو درکنار امیدوار بھی بن سکتے ہے۔

۹ر دستوری نکات کے بارے میں ہماری رائے

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ۹ ر دستوری نکات بیان فرمائے ہیں۔ پہلا نکتہ اجتماعی خلافت سے متعلق ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ خلیفہ کا انتخاب ریاست کی مسلمان رعایا کی آزادانہ مشاورت سے ہوگا اور اس انتخاب میں تمام بالغ مسلمانوں کو یکساں طور پر حق رائے دہی حاصل ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ نقطہ نظر بالکل درست ہے اور ہمیں اس سے مکمل اتفاق ہے۔ ہمیں ڈاکٹر صاحب کی اس رائے سے بھی اتفاق ہے کہ انتخابات میں بحیثیت امیدوار سامنے آنے والوں کی سیرت و کردار کی چھان پھٹک کا موثر بندوبست ضروری ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں چند بنیادی باتیں پیش نظر رکھنا ہونگی۔

۱۔ ہمیں قرآن و سنت سے وہ اوصاف تلاش کرنے ہونگے جو اسلامی ریاست کی مقننہ کے اراکین کے لئے ضروری قرار دئے گئے ہوں۔ پھر وہی اوصاف امیدوار کی چھان پھٹک کے لئے معیار قرار دئے جائیں۔

۲۔ امید وار کی چھان پھٹک کا نظام نہایت موثر ہونا چاہیے کیونکہ عصر حاضر میں جرائم کی انتہائی مہذب صورتیں وجود میں آچکی ہیں۔ قرضے لے کر صنعتیں لگانا پھر چند سال خوب کمائی کرنے کے بعد انہیں ناکارہ ثابت کر کے قرضہ معاف کروالینا ہمارے کسی بھی ضابطہ اخلاق میں کوئی جرم تصور نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح ہماری مجبوریوں نے ہمیں یہاں لاکھڑا کیا ہے کہ ہم بھاری رقوم لے کر ملازمت دلوانے والوں کو بھی قوم کا خادم کہنے پر مجبور ہیں۔ الغرض قوم کو لوٹنے اور قومی خزانے پر دست درازی کی ایسی صورتیں ایجاد ہوچکی ہیں کہ ہمیں چھان پھٹک کے نظام کو بھی اتنا ہی موثر او UP-TO-DATE بنانا پڑے گا۔

۳۔ چھان پھٹک کا نظام افراط و تفریط سے پاک ہونا چاہئے۔ ایسا ڈھیلا ڈھالا بھی نہ ہو کہ بے مقصد لدر بے روح بن کر رہ جائے اور ایسا کڑا اور سخت بھی نہ ہو کہ امید وار کے انتخاب میں فیصلہ کن عامل ہی بن جائے اور ووٹر کا حق رائے دہی بھی متاثر ہونے لگے۔ (جاری ہے)

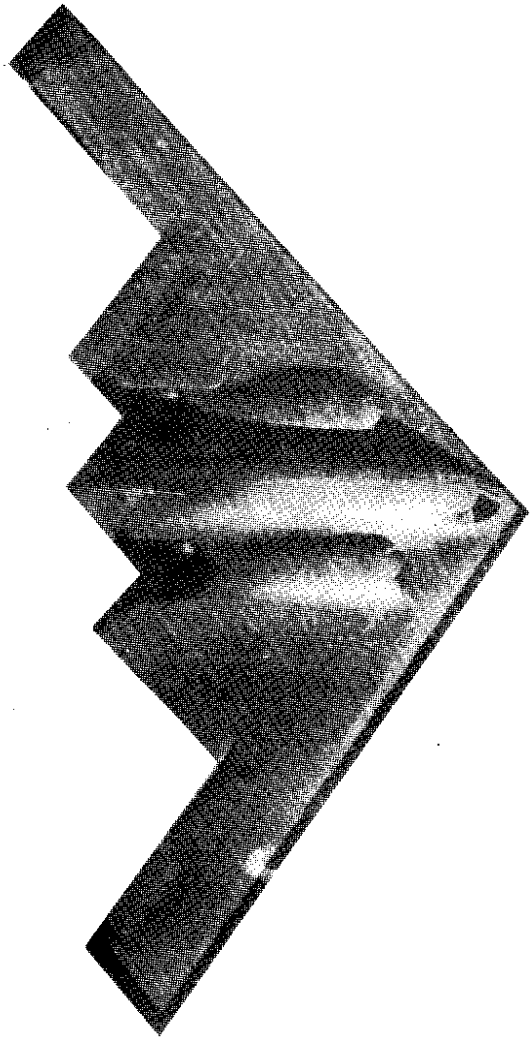

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!

اکیسویں صدی میں بڑے میدان جنگ کس علاقے میں ہوں گے؟

نئے عالمی دفاعی نظام کے خوفناک ہتھیار

ہمالیہ کے جنوب میں ایک بڑی تکون سب سے خطرناک علاقے کے طور پر ابھر رہی ہے

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

فوجی لحاظ سے ستمبر ۱۹۹۲ء میں دنیا کا جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ کچھ اس طرح سے ہے کہ سوویت یونین باقی نہیں رہا ' وارسا پیکٹ کا کوئی وجود نہیں اور آزاد جمہوریاؤں کی دولت مشترکہ (CIS) بھی بس نام کی حد تک ہے ۔ گزشتہ نصف صدی کی یادوں کو اب ذہنوں سے نکال دیا جانا چاہیے کیونکہ دنیا اب بدل چکی ہے مگر یہ تبدیلی حتمی نہیں' بہت سے خطرات تاحال موجود ہیں ۔ تاریخی و مذہبی ثقافت رکھنے والے ایسے خطے اور آمر حکمران دنیا میں موجود ہیں جو سرد جنگ کے رسمی اختتام کے باوجود جمہوری دنیا کو جنگ میں دھکیل سکتے ہیں۔ سرد جنگ سے ایک توازن کی کیفیت تو بہرحال برقرار تھی اور جہاں کہیں گرم محاذ آرائی جاری تھی' کسی نظم کے تحت تھی لیکن کیمونزم کا خطرہ ٹل جانے سے جمہوری ممالک کو باقی دنیا سے ایسی کوئی دلچسپی نہیں رہی کہ وہاں بھی ہر حال میں اس توازن کو برقرار رکھنے میں سرکھپایا

جائے۔ اب پھر انہیں جلد ہی یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑے گا عدم تعلق کے اس رویہ کو ہمیشہ کے لئے اپنانا ممکن نہ ہوگا کیونکہ کوئی بھی ملک اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر کسی پڑوسی کی زمین کا ایک ٹکڑا یا تیل کی دولت میں سے کوئی حصہ یا کچھ بھی ہتھیا سکتا ہے ۔

کیمونزم کی ناکامی کا مطلب یہ نہیں کہ انسانی وحدت کے تصور کو تقویت حاصل ہوئی ہے۔ اٹھارویں اور پھر بیسویں صدی کے اواخر میں عقلیت پسندوں نے جس نظریاتی ہم آہنگی کا خوبصورت تصور پیش کیا تھا' دنیا ابھی اس سے بہت دور ہے اور وہ وقت آنے میں بہت عرصہ لگے گا جب انسان ایک وحدت کی شکل میں اس کرہ ارضی پر بے خوف و خطر رہنے کے قابل ہوسکے گا۔ اس میں شک نہیں کہ فیڈرل کاسترو کی طرح کے مٹھی بھر لوگوں کے سوا کوئی بھی موجودہ

اقتصادی نظام کی افادیت سے انکار نہیں کرتا نیز یہ کہ کھلی منڈی پر مبنی معیشت کا کوئی قابل ذکر متبادل نہیں لیکن دوسری جانب ترقی یافتہ ممالک کے لئے اس نظام کو اختیار کرنا ان کی توقعات سے کہیں بڑھ کر مشکل ثابت ہوا ہے کیونکہ سب سے پہلے تو اس کے لئے سرمایہ چاہیے جس کا حاصل ہونا آسان نہیں ' پھر ایسے کارکن ضروری ہیں جو زیادہ جوش اور جذبے سے کام کرنے پر آمادہ ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام کو چلانے کے لئے ضروری مہارت بھی میسر ہو ۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو آج کی دنیا پہلے سے زیادہ خطرات میں گھری نظر آتی ہے لیکن جمہوری دنیا کو صرف اپنے مفادات کی حد تک تشویق لاحق ہوگی یعنی ان کے معاشی استحصال کے لئے خام مال کی رسد میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو اور ان کی سرحدیں ہر طرح سے محفوظ رہیں۔ اس کے علاوہ ایک امکان یہ ہوسکتا ہے کہ بظاہر کسی

معمولی تنازعہ میں ان کی طرف سے مداخلت ایک بڑے تصادم کی شکل اختیار کر لے کیونکہ جیسا کہ دیکھنے میں آرہا ہے' دنیا میں ایسے بھیانک واقعات رونما ہورہے ہیں کہ ان سے چشم پوشی کرنا اخلاقی طور پر ممکن نہ رہے۔ مثال کے طور پر سابق یوگوسلاویہ میں پیش آنے والے واقعات دوسری جگہوں پر بھی دہرائے جانے لگیں تو جمہوری دنیا کو مجبوراً کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا ۔ اسی کو آپ اخلاقی جنگ کا نام دے سکتے ہیں ۔

جہاں تک مفادات کی جنگ کا تعلق ہے' لاطینی امریکہ میں اس کا کوئی خطرہ نہیں اور یہی بات صحرا کے جنوب میں واقع افریقہ کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے سوائے اس صورت کے کہ ایسا کوئی احمق قسم کا ڈکٹیٹر اٹھ کھڑا ہو جو براعظم کے جنوب میں واقع معدنی دولت پر اپنی اجارہ داری کا دعویٰ ٹھوک دے۔ ہمالیہ کے جنوب میں ایک بہت بڑی تکون کی شکل میں برعظیم کا ایک خطہ سب سے خطرناک ہے۔ اقتصادی لحاظ سے اس کی اتنی اہمیت نہیں لیکن یہاں ہند چینی طرز کا کوئی اتحاد دنیا میں توازن اقتدار کو درہم برہم کرسکتا ہے اور اسی وجہ سے یہ علاقہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے ۔ علاوہ ازیں آج ۱۹۹۲ء میں جو حالات ہمارے پیش نظر ہیں ' صرف انہی کو مد نظر رکھا جائے تو دو خطے اور ایسے ہیں جو کسی بھی وقت مفادات کی جنگ کا باعث بن سکتے ہیں ۔ ایک کوریا جہاں شمالی کوریا جوہری ہتھیاروں تک رسائی حاصل کر کے پورے ایشیا کو جنگ کی آگ میں جھونک سکتا ہے' دوسرا تیل اور اسلام کی مشترک قوت کا حامل مسلم " سبز ہلالی" خطہ جو جنوب مغربی ایشیا ' سے لے کر شمالی افریقہ تک جا پہنچتا ہے اور جس کی مغرب سے مخالفت ایک طویل تاریخ رکھتی ہے ۔

اخلاقی جواز فراہم کرنے والی جنگیں زیادہ وسیع علاقے کو احاطہ میں لے سکتی ہیں اور ان کے اسباب بھی کئی طرح کے ہوسکتے ہیں مثلاً کوئی ڈکٹیٹر اپنے ہی عوام کے کسی ایک طبقہ کو نیست نابود کرنا چاہ رہا ہو یا اپنے ہمسایوں پر دھونس جمانے کا متمنی ہو لیکن اس کی ایک عمومی شکل وہ ہے جو سابق یوگوسلاویہ میں سامنے آئی ہے ۔ اس طرح کا خطرہ افریقہ اور ایشیا میں ہی نہیں' لاطینی امریکہ کے بعض علاقوں میں بھی موجود ہے مگر اس سے کہیں زیادہ برے حالات کا سامنا اس صورت میں ہوگا

ہمالیہ کے جنوب میں ایک بہت بڑی تکون کی شکل میں برعظیم کا ایک خطہ سب سے خطرناک ہے۔

اگر جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ کو نہ روکا جاسکا۔ اسی طرح اگر چین ایک الگ طاقت کے طور پر آگے بڑھنا چاہے یا جاپان فوجی قوت بننے کا فیصلہ کر لے تو صورت حال بالکل مختلف ہوجائیگی۔ روس کے دوبارہ مغرب مخالف طرز عمل اختیار کرنے کا امکان بہت ہی کم ہے۔ معاشی لحاظ سے وہ جمہوری ممالک کا دست نگر ہے لیکن اسے بالکل نظرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ روس اب بھی دنیا کی دوسری بڑی ایٹمی طاقت ہے لیکن جمہوری دنیا کے ساتھ طویل سرحد ہونے کے باعث روس سے معاملہ کرنا زیادہ مشکل نہیں۔

اگر اس طرح کے غیر متوقع طور پر پیش آسکنے والے واقعات کو نظر انداز کیا جاسکے تو دنیا کا نیا فوجی نقشہ طے کرنا آسان ہوجائیگا اور یہ بھی کہ مستقبل کی افواج اور جنگی سازو سامان کی نوعیت کیا ہوگی کیونکہ مستقبل کی جنگوں کی حکمت عملی کے بارے میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ بیسویں صدی میں ہونے والی جنگیں یورپ کی سرزمین پر لڑی گئیں مگر اکیسویں صدی کی جنگیں یورپ سے پرے جنوب مشرق میں ہوں گی۔ روس اور جرمنی کو یورپ سے باہر جنگ کا تجربہ نہیں' فرانس کے لئے کسی حد تک آسانی ہوگی یا پھر سپین اور ہالینڈ اپنے ماضی کے تجربات سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں' امریکہ نے بھی بیسویں صدی یورپ میں

بیسویں صدی میں ہونے والی جنگیں یورپ کی سرزمین پر لڑی گئیں مگر اکیسویں صدی کی جنگیں یورپ سے پرے جنوب مشرق میں ہوں گی۔

گزاری ہے لہٰذا اسے بھی نئی صورت حال کے لئے ذہنی آمادگی پیدا کرنی ہوگی۔ البتہ برطانیہ وہ واحد ملک ہے جس کی فوجیں پوری انیسویں صدی یورپ سے باہر رہیں چنانچہ اسے کوئی دقت پیش نہیں آسکتی۔ امریکہ اور یورپ میں اسی بنا پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ آئندہ انہیں دو مختلف قسم کی جنگوں سے واسطہ پڑے گا۔ ایک وہ جس میں مد مقابل روائتی زمینی اور ہوائی فوج ہوگی جبکہ دوسری قسم میں تربیت یافتہ سپاہیوں کے علاوہ نیزے بھالوں سے لیس ہر طرح کی عوامی لہر سے بھی مقابلہ درپیش ہوگا۔ پہلی قسم کی جنگ مفادات کے تحت اور دوسری اخلاقی نوعیت کی ہوگی۔ انیسویں صدی میں برطانوی افواج جن لوگوں کے خلاف نبرد آزما رہی ان میں سکھوں سے لے کر جو کم و بیش یورپی معیار پر تربیت یافتہ تھے' افغان چھاپہ ماروں' زولو قبائل اور سوڈان کے مذہبی جاں فروشوں تک ہر طرح کے جنگجو شامل تھے ۔ اب تو ویسے بھی طے ہے کہ جنگ بہرحال ایک ہی قسم کی ہوگی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اعلیٰ ٹیکنالوجی نے ہر طرح کی مشکلات پر قابو پانا بہت آسان کردیا ہے۔

مستقبل میں فوج کو تین قسم کی خدمات سرانجام دینا ہونگی۔ اول ایسے متحارب گروہوں کے درمیان جنگ بندی کا نفاذ اور اس کی نگرانی جو لڑائی سے تھک کر جنگ بند کرنے پر مائل تو ہوں مگر ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کو تیار نہ ہوں۔ اس کام کے لئے ہلکے ہتھیاروں سے مسلح چند بٹالین فوج ہی درکار ہوگی۔ دوئم صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ایک کوئی مختصر سا گروہ کسی علاقے میں امن عامہ کے خلاف مسلسل کارروائیوں میں مصروف ہو جس پر عام طریقوں سے قابو پانا مشکل ہو تو اس کے علاقے میں خاصی بڑی تعداد میں فوج بھیج کر حالات کو معمول پر لایا جاسکے گا جیسا کہ شمالی آئر لینڈ میں برطانیہ نے یا شام نے لبنان میں کیا ہے۔ مگر اس کے لئے کسی مخصوص فوجی تیاری کی ضرورت نہیں ہوگی۔ البتہ یہی معاملہ کسی ایسے ملک کا ہو جو خاصی بڑی تعداد میں فوج کے ساتھ پوری طرح ہتھیار بند ہو تو سوچ سمجھ کر اقدام کرنا ہوگا کیونکہ یہ جنگ شدت اختیار کرسکتی ہے اور فوجی اخراجات کا مسئلہ بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ اس طرح کی جنگ میں خلیج کے آپریشن سے حاصل ہونے والے تجربات نہایت اہم ہیں ' جہاں درختوں کے اندر بڑی ہوشیاری سے چھپائی ہوئی

توپوں اور بکتر بند گاڑیوں کو "عقابی آنکھ" کے ذریعے تلاش کر کے "آنا" فانا" وہیں ہوئی جہاز سے بمباری کر کے یا زمینی گولہ باری کے ذریعے تباہ کردیا گیا۔ یہ کام جتنا زیادہ فاصلے سے اور نشانے کی درستی کے ساتھ ہوگا' اتنا ہی اپنا اور شہری آبادی کا نقصان کم ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس میں مزید تحقیق اور ترقی کا کام جاری ہے۔ بغیر پائلٹ کے طیارے اور توپیں ادھر ادھر لے جانے والے "روبوٹ" استعمال کرنے سے کوئی ایک انسانی جان بھی ضائع ہونے کا خطرہ نہیں رہے گا۔ امریکہ اور یورپ کے لئے اصل مسئلہ ٹیکنالوجی کا نہیں' سیاسی ہے یعنی اس قسم کی جنگوں میں اپنا ایک سپاہی بھی کیوں مروایا جائے جبکہ روایتی طریق جنگ میں ہر طرح کے جدید اسلحہ اور ترقی یافتہ آلات کے استعمال کے باوجود مرنے والوں کی تعداد صفر تو نہیں ہو سکتی۔

اب یہ دیکھنا ہوگا کہ اگلی چند دہائیوں میں کامیابی کے لئے کتنی فوج درکار ہوگی اور اس کا کون بندوبست کرے گا؟ ۔ امریکہ اور یورپ مل کر کریں گے یا الگ الگ؟ اگلا سوال یہ ہوگا کہ یورپ کا اس میں کتنا حصہ ہوگا اور جاپان کا کیا کردار ہوگا؟ ہم پوری جمہوری دنیا کی ایک فوجی ہائی کمان کی بات کر رہے ہیں جو زیادہ متوقع اور قابل عمل ہے۔ یہ ہائی کمان ایک ایسی سریع الحرکت فوج کو استعمال کرے گی جو کسی بھی جمہوری ملک کے مفادات کے تحفظ میں دنیا میں کہیں بھی بھر پور کارروائی کرسکے۔ ایک سابق امریکی کرنل نے لکھا ہے کہ ۱۹۹۶ء تک دس کے قریب جنگیں متوقع ہیں۔ تعداد میں کمی بیشی سے قطع نظر' جنگیں بہرحال ضرور ہوں گی۔ اس انتباہ کے مخاطب واشنگٹن' لندن' پیرس' بون اور برسلز ہیں اور ان سب کے نزدیک بڑی سے بڑی جنگ پندرہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل سات ڈویژن سریع الحرکت فوج آسانی سے جیت سکتی ہے۔ یہ تعداد وہی ہے جو خلیج کی جنگ میں کامیابی حاصل کرچکی ہے اور آئندہ کئی سالوں تک صدام حسین کی فوج سے بڑی کوئی فوج میدان میں آنے والی دکھائی نہیں دیتی یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اب جو بھی سامنے آئے گا' وہ صدام حسین کی غلطیوں کا اعادہ نہیں کرے گا۔ بایں ہمہ پندرہ ہزار کی تعداد کم نہیں' کیونکہ صدام حسین کے خلاف جو کل تعداد بھیجی گئی تھی اس کے بھی ایک چھوٹے حصے نے ساری کارروائی مکمل کرلی تھی۔

اب جو بھی سامنے آئے گا' وہ صدام حسین کی غلطیوں کا اعادہ نہیں کرے گا۔

سات ڈویژن فوج اتنی بڑی تعداد نہیں جبکہ امریکہ' جرمنی' فرانس اور برطانیہ کے پاس اس سے پانچ چھ گناہ زیادہ فوج موجود ہے۔ اتنی ہی تعداد اٹلی' ترکی' سپین اور دوسرے چھوٹے یورپی ممالک کے پاس بھی ہوگی۔ دوسری جانب سرد جنگ کے اثرات زائل ہونے کے ساتھ ساتھ حریف ممالک کی افواج زنگ آلودہ ہونے لگیں گی جن کے لئے سات ڈویژن بھی زیادہ ہوگی لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکہ' روس اور مغربی یورپ کے علاوہ چین' جاپان اور برازیل بھی ان ممالک کو اسلحہ کی سپلائی اور تربیتی سہولتیں محدود رکھیں۔ لیکن یہ قصہ یہیں ختم نہیں ہوجاتا' زمینی فوج کو مدد فراہم کرنے کے لئے کم از کم دو سو لڑاکا طیارے اور چار سو بمباروں کے علاوہ تیزی کے ساتھ نقل و حمل کے لئے ڈیڑھ سو کے قریب ٹرانسپورٹ طیارے درکار ہوں گے۔

امریکہ اور یورپ کی اعلیٰ ٹیکنالوجی میں برتری کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کے پاس رائفل ہو اور دوسرا خالی ہاتھ۔ اگرچہ کئی ایک ہتھیار ابھی تجرباتی مرحلے میں ہیں مثلاً "ٹاما ہاک کروز میزائل" جن کا ہر دو میں سے ایک نشانہ ٹھیک ہدف پر لگا' سٹیلتھ ائر کرافٹ" (ایف ۱۱۷) سے گرائے گئے صرف اسی فی صد بم کارگر ثابت ہوئے' انٹی میزائل "پیٹریاٹ راکٹ" عراق کی طرف سے داغے جانے والے اٹھائیس فی صد "سکڈ میزائل" تباہ کرسکے تاہم بہت سارے دوسرے آلات کی کارکردگی بہت اعلیٰ تھی۔ بحیثیت مجموعی یہ نظام جنگ جیتنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ ہتھیار کسی غلط ہاتھ نہ لگ جائیں۔ اس سلسلے میں حوصلہ افزا بات یہ ہے کہ ان جدید ترین ہتھیاروں کی اکثریت کے بارے میں کسی کو علم نہیں جس کی ایک مثال یہاں فوٹو میں دکھائے گئے "سٹیلتھ ائر کرافٹ" کی ہے جس نے "راڈار" کو مات دے کر اپنی برتری ثابت کردی ہے۔ اس میں "راڈار" کی شعاعوں کو جذب کرنے والا مصالحہ ہی نہیں استعمال ہوا' جہاز کی ساخت اور شکل و صورت اتنی پیچیدہ ہے کہ اس کی نقل کرنا آسان نہیں۔

ایک ایسی تھرمل الیکٹرک توپ پر کام ہو رہا ہے جو تین میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اسی صحت کے ساتھ گولہ باری کر سکے جس صحت کے ساتھ آج کل ایک ٹینک کمپیوٹر کی مدد سے کر سکتا ہے۔

خلاء میں موجود مصنوعی سیاروں کے ذریعے ملنے والی تصویروں کی مدد سے فوجی کمانڈر جنگ کنٹرول کرتے ہیں۔ ان سیاروں کو میزائل سے تباہ یا ان سے حاصل ہونے والے پیغامات کو "جام" کیا جاسکتا ہے مگر کم از کم ۲۰۰۰ء تک ان سیاروں کو مکمل بالادستی حاصل رہے گی۔ "سٹیلتھ" کے بعد "آواکس" طیاروں کا نمبر آتا ہے جو دور دور تک نگرانی کرسکتے ہیں۔ ان میں بھی امریکہ کو اجارہ داری حاصل ہے۔ اگلی شے کا نام "جے سٹارز" ہے جس کے ذریعے جنگی طیارے سڑکوں پر آنے جانے والے ٹرکوں اور دوسری فوجی گاڑیوں کا سراغ لگاسکتے ہیں اور اپنی فوج سے فائر کروا کر انہیں وہیں تباہ کرادیتے ہیں۔

ان سب پر مستزاد امریکہ کا "کمانڈ اینڈ کنٹرول سسٹم" ہے جو حیرت انگیز طور پر کامیاب ثابت ہوا۔ اس کے ذریعے عراق کا راڈار اور ریڈیو کا پورا نظام ناکارہ بنا دیا گیا تھا اور ابھی نئی ایجادات کا سلسلہ بند بھی کہاں ہوا ہے۔ دشمن اگر نئے ہتھکنڈے آزمانے کے چکر میں ہیں تو امریکہ بھی ایسا نظام وضع کرنے میں مصروف ہے جس میں جہاز سے گرایا جانے والا ہر بم ٹھیک ٹھیک نشانے پر لگے۔ ایک ایسی تھرمل الیکٹرک توپ پر کام ہو رہا ہے جو تین میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اسی صحت

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

پاکستان بھی کشمیریوں کے ساتھ اپنے وعدے پورے نہیں کررہا

کشمیر اور بوسنیا کے مسلمانوں کی خبر کون لے!

اصل مسئلے کو نظرانداز کرکے ضمنی معاملات پر مذاکرات کا مطلب کیا ہے؟

محمد فاروق رحمانی

کنوینر تحریک حریت کشمیر'
چیئرمین جموں کشمیر پیپلزلیگ

مقبوضہ جموں کشمیر اور بوسنیا کے مسلمان ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے خوں ریزی ' غارتگری اور آتش زنی کے شکار بنا کر اپنے گھروں سے باہر گھسیٹے جارہے ہیں۔ ایک جگہ ہندو سپاہی اور دوسری جگہ صلیبی "مجاہد" عفت مآب مسلمان خواتین کی آبروریزی کررہے ہیں ' بچوں کو قتل یا یتیم بنا کر چھوڑ رہے ہیں ' تہذیب و تمدن کے عالی شان مینار کھنڈرات میں بدل دئے جاتے ہیں اور سرسبز و شاداب وادیاں ویرانوں میں تبدیل کی جارہی ہیں ۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس طرح ۱۹۴۸ء میں اعلان بالفور کے ذریعے فلسطین کو مٹا کر اسرائیل کی ناجائز ریاست وجود میں لائی گئی تھی اور فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ صیہونیوں نے انتہائی توہین آمیز اور انسانیت سوز سلوک کیا تھا ' اسی طرح آج بوسنیا کی مسلم ریاست کو مٹا کر اس کی جگہ ایک ناجائز اور غیر قانونی صلیبی مملکت قائم کی جارہی ہے ۔ حیرت ہے کہ بوسنیا کو حال ہی میں اقوام متحدہ نے ایک آزاد اور خود مختار ریاست کی شکل میں تسلیم بھی کیا ہے اور یورپ کی یہ نو آزاد اور نو خودمختار ریاست اقوام متحدہ کی رکن بھی بن گئی ہے لیکن اس کے باوجود نہ تو اقوام متحدہ اور نہ او آئی سی اسے صلیبی لٹیروں اور عصمت کے ڈاکوؤں سے بچانے اور اس کی خود مختاری قائم رکھنے میں کوئی ٹھوس معاونت کررہے ہیں ۔ ٹوٹے ہوئے یوگوسلاویہ کے سرب سپاہی جو صلیبی مزاج رکھتے ہیں ' اقوام متحدہ کو بھی خاطر میں نہیں لائے اور عالمی ادارے کی امن فوج پر بھی گولہ باری کررہے ہیں ۔ ان صلیبیوں کی یہ دیدہ دلیری اور منظم غارتگری اقوام مسلم کے لئے بھی ایک چیلنج ہے ۔ اگر دنیا کی آزاد اور خود مختار مسلم حکومتوں میں قرون اولی کے مسلمانوں کی غیرت و حمیت ہوتی تو وہ اقوام متحدہ کے موجودہ کردار اور مسلمانوں کی ہلاکت اور مسلم خواتین کی بے حرمتی کو دیکھ کر اجتماعی طور پر احتجاجاً" اقوام متحدہ کی رکنیت سے استعفی دیتے اور ٹوٹے ہوئے یوگوسلاویہ کے صلیبیوں کے خلاف اعلان جہاد کرتے ۔ اس قسم کے اقدام سے کرۂ زمین پر ایک بھونچال آتا اور اقوام متحدہ میں بارسوخ طاقتوں کے ہوش ٹھکانے لگتے۔

کشمیر ' بوسنیا اور برما کے مسلمان صوبہ اراکان میں مسلمانوں کے بے تحاشہ قتل و غارت جاری ہے ' وقت کافی ضائع ہوچکا ہے لیکن مسلمان حکومتوں کے لئے اب بھی موقع ہے کہ وہ اپنے اپنے محلاتی اقتدار کی بجائے مسلم عوام کے جذباتی اور خدائی فرائض کا احترام کریں اور ان کو فوقیت دیں پھر کشمیر اور بوسنیا کی صورت حال پر یو این او سے الگ ہوجانے کی دھمکی دیں ۔ اگر اس سوال پر اب بھی تاخیر برتی گئی اور اقتدار کی کرسی کو اسلام اور مسلمان کی بقا پر فوقیت دی گئی تو وہ وقت قریب ہے جب بوسنیا کا وجود مٹ جائے گا اور اسرائیل ہی کی طرح ایک اور جارح اور بے لگام صلیبی ریاست نقشے پر نمودار ہوگی ۔ اسی طرح اسلامی کانفرنس اور مسلمان حکومتوں کی بے رخی کی وجہ سے کشمیر میں صرف سرخ سرخ مٹی اور جلے ہوئے درخت اور چٹانیں باقی رہیں گی ۔ اللہ بچائے ' اولیائے کرام کا قائم کردہ یہ اسلامی خطہ جسے دنیا بے نظیر جنت کہتی رہی ہے ختم ہوجائیگا ۔ آپ ایک شترمرغ کی طرح اپنا سر دشمن کو دیکھ کر ریت میں لاکھ چھپانے کی کوشش کریں لیکن اس سے آپ بچ نہیں سکتے ۔ مسلمان قوموں کے حکمرانوں کی حیثیت سے آپ کی غفلت اور عیش کوشی پر قدرت آپ سے بھی انتقام لینے میں دیر نہیں کرے گی ۔ اپنی قوم اور اپنے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے اللہ نے آپ پر جو فرائض عائد کئے ہیں ان کو نظرانداز کرنے کے بعد آپ کے اقتدار کے محلات بھی زمین بوس ہونگے۔ مسلمان قوموں اور مسلمان خطوں کے تمام زمینی ' آبی اور فضائی وسائل قدرت نے آپ کے ہاتھ میں دئے تو ہیں لیکن یہ آپ سے چھینے بھی جاسکتے ہیں۔

پاکستان اور اس کے حکمرانوں اور سیاستدانوں کو بھی ان کے فرائض یاد دلانا بہت ضروری ہے ۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قیام کا مقصد صرف چند صوبوں کے مسلمانوں کی حفاظت نہیں تھا بلکہ اس کا مقصد دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں کے حقوق کی پامالی اور اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں کا توڑ کرنا بھی تھا۔ جہاں تک ریاست جموں و کشمیر کا تعلق ہے تو اس خطے کے مسلمانوں کی آزادی اور بقاء ابتدا سے ہی پاکستان کے مفکروں کی نگاہ میں مرکزی حیثیت کی حامل رہی ہے اور بجا طور پر کشمیر پاکستان کا سرچشمہ ہے ۔ لیکن ایسا لگ رہا ہے کہ اب جو لوگ "کشمیر بنے گا پاکستان" کا نعرہ دہراتے ہیں ' وہ بھی اس میں سنجیدہ نہیں ہیں ۔ ہندوستان ابتدا سے ہی کشمیر کے بارے میں اپنے بین الاقوامی وعدوں کی دھجیاں اڑا رہا ہے لیکن اب پاکستان بھی

ہمارے ساتھ اپنے وہ وعدے پورے نہیں کررہا جو اس نے ۱۹۸۸ء میں ہمارے ساتھ کئے تھے بلکہ اب تو یہ کہا جارہا ہے کہ اس جہاد کو بند کیا جائے کیونکہ بقول ان کے ' اس سے پاکستان کی سالمیت کو خطرہ ہے ۔ بعض حلقے فرار کے راستوں کی تلاش میں یہ مشورہ بھی دے رہے ہیں کہ اس جدوجہد سے جہاد کا لفظ خارج کیا جانا چاہیے ۔ بحیثیت مظلوم و مقہور مسلمان ہم اس بے ہودہ پن کو قبول نہیں کرسکتے اور بحیثیت حریت پسند ہمیں اس بات پر یقین ہے کہ بھارت سے علیحدگی اور آزادی حاصل کرنے کے بعد ہی پاکستان کی سالمیت محفوظ ہوسکتی ہے ۔ کوئی بھی سچا مسلمان خواہ وہ کشمیری ہو یا پاکستانی ' یہ پسند نہیں کرے گا کہ حکومت پاکستان اہل کشمیر کی سیاسی ' اخلاقی اور انسانی مدد سے دست بردار ہوجائے ۔ یہ پاکستانی قیادت کا شیوہ نہیں ہونا چاہیے ۔

پاکستان نے بھارت کے ساتھ مذاکرات کا جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس سے بھی پاکستان یا کشمیر کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ کشمیر کا کاز کمزور ہوجائیگا اور بھارت کو کشمیر میں ظلم و ستم ڈھانے اور اپنا قبضہ جاری رکھنے کا موقع فراہم ہوگا ۔ صرف ایک طاقتور اور توانا مزاحمتی تحریک کے ذریعے ہی بھارت کشمیر سے نکلنے کے لئے مجبور ہو گا ۔ حیرت ہے کہ ایک طرف پاکستانی حکمران اور سیاستدان اور یہاں کے مذہبی زعماء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان ساری دنیا کے مسلمانوں کا محافظ ہے لیکن دوسری طرف وہ کشمیر میں اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ظالم اور بد اخلاق ہندو سپاہیوں کے نرغے میں دیکھتے ہیں اور پھر بھی ان کی رگ حمیت نہیں پھڑکتی ۔ پچھلے ایک دو مہینوں میں وادی کشمیر میں بھارتی سپاہیوں کے ذریعے مسلمان خواتین کی بے حرمتی اور مسلمان بچوں کے قتل میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے اور اگر ان خبروں کے بعد بھی پاکستانی حکمران بھارتیوں کے ساتھ دہلی یا اسلام آباد میں لنچ اور ڈنر پارٹیوں میں شامل ہوں اور مختلف ثقافتی وفود کا تبادلہ کریں یا کشمیر اور پاکستان دشمنوں کو یہاں مدعو کریں تو اس سے ہم کیا نتیجہ اخذ کریں ' یہی ناکہ مرنے والے مرتے رہیں ' لٹنے والے لٹتے رہیں اور ہم اپنا کاروبار چلاتے رہیں گے! سوچنے کی بات ہے کہ مقبوضہ کشمیر کے مسلمان اور ان کے بچے ہندوستان کو یہ اجازت نہیں دے رہے ہیں کہ وہ نیوی گیشن کے نام پر دریائے جہلم پر ولر بیراج تعمیر کرے اور پاکستان کی آبی شاہ رگ کاٹے یا اس کا گلا گھونٹ دے لیکن خود پاکستان ولر بیراج پر بھارت کے ساتھ گفت و شنید کررہا ہے ' اور ایک لحاظ سے کشمیر پر بھارت کا قبضہ تسلیم کررہا ہے ۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر کشمیر پر بھارت کا قبضہ ناجائز ہے تو صرف ولر بیراج کی تعمیر کے مسئلے پر اس سے کوئی معاہدہ کرنے کی کیا ضرورت اور مجبوری ہے؟۔ ایسا منفی اور نا معقول قدم صرف وہ شخص اٹھائے گا جس کو اپنی بنیاد اور اس کی صداقت پر مکمل اعتماد نہ ہو ۔ مسلمان کو فرار اور کم ہمتی و کاہلی کا یہ سبق کون پڑھا رہا ہے!

پاکستانی عوام و خواص سب کو اسی نئی صورت حال پر سوچنا چاہیے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام اور مسلمان مظلوموں کی پاسبانی اور خدمت کے بغیر پاکستان زندہ نہیں رہ سکتا ہے ۔ میں خاص طور پر پاکستانی حکمرانوں ' سیاستدانوں اور جرنیلوں کی بیگمات اور ان کی ماؤں اور بیٹیوں سے اور ان کے فرزندوں سے اپیل کررہا ہوں کہ وہ اپنی کشمیری ماؤں ' بہنوں اور بیٹیوں کی عصمت بچانے اور انہیں آزاد کرانے کے لئے خود میدان عمل میں آئیں اور اگر ان کے شوہر اس میں رکاوٹ بنتے ہیں تو وہ احتجاج کریں اور ان پر دباؤ ڈالیں۔ اگر پاکستانی عورت اپنے حقوق کے لئے میدان میں آسکتی ہے اور معاشرے میں ایک بااختیار مقام کی تلاش میں سڑکوں پر مظاہرے کرسکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ پاکستان کے ہر قصبے میں سرگرم ہو کر کشمیری بہنوں کی حفاظت کو اپنا مشن نہیں بنا سکتی ہیں اور اس کے لئے تمام مسائل اور مشاغل موخر نہیں کرسکتی ہیں ۔ بیگم صدر اسحاق ' جناب نواز شریف صاحب کی بیگم صاحبہ ' جنرل آصف نواز صاحب کی بیگم صاحبہ اور بے نظیر صاحبہ سے خاص طور پر اور دیگر پاکستانی خواتین کو عام طور پر یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جب تک ان کے خاندان اور قبیلے کشمیر کے لئے اور وہاں کے مسلمانوں کے لئے سنجیدہ نہیں ہوجاتے ' تب تک کوئی اور مسلمان ملک بھی سنجیدہ نہیں ہوگا ۔ یہ ممتاز خواتین اس مرحلے پر اہم رول ادا کرسکتی ہیں ۔ میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ مقبوضہ کشمیر میں مسلمان خواتین کو آزادی اور الحاق پاکستان کے لئے اپنی گھریلو زندگی کو بھر خیرباد کہنا پڑا ہے ' وہ مردوں کے شانہ بشانہ بھارتی سپاہیوں کے خلاف گلیوں کوچوں اور چوکوں میں ہر روز احتجاج کررہی ہیں اور ہندوستان سے صرف ایک ہی بات کہتی ہیں کہ وہ کشمیر سے واپس چلا جائے ' اور اہل کشمیر کو اپنا مستقبل اپنی خواہشات اور حق خود ارادیت کے مسلمہ پیدائشی حق کے مطابق بنانے اور سنوارنے کا موقع دے۔ مجھے امید ہے کہ میری گذارشات کو شرف قبولیت بخشا جائے گا یہی کچھ ہماری قوم کا منشور ہے ۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

بقیہ نیا عالمی منظر

کے ساتھ گولہ باری کرسکے جس صحت کے ساتھ آج کل ایک ٹینک کمپیوٹر کی مدد سے کرسکتا ہے ۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ وزن میں ہلکی ہونے کی وجہ سے توپ آسانی سے ادھر ادھر لے جائی جاسکتی ہے ۔

نئی نئی ایجادات کا تو مسئلہ یہ ہے کہ کچھ عرصے بعد یہ کسی نہ کسی طرح دوسرے ہاتھوں میں پہنچ جاتی ہیں لیکن انہیں استعمال کرنے کے لئے جو مہارت اور تربیت چاہیے اس کا حصول ہر ایک کے بس میں نہیں ۔ اس کے لئے نہ صرف تربیتی سہولتوں کا فراہم ہونا ضروری ہے بلکہ ایسے موزوں افراد چاہئیں جنہیں یہ تربیت دی جاسکے۔ مثال کے طور پر امریکہ میں تربیت حاصل کرنے والے ہر بیس میں سے انیس افراد سکول گریجویٹ ہوتے ہیں جبکہ وہاں کا پورا معاشرہ ہی ترقی یافتہ شمار ہوتا ہے ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فنی مہارت میں امریکہ کہیں آگے ہے ۔ اس کے بعد یورپ اور دیگر چند ایک ممالک ہوں گے جبکہ جاپان یہ مہارت بخوبی حاصل کرسکتا ہے لیکن شمالی کوریا اور تیل کی دولت سے مالا مال مشرق وسطی کے ممالک کم از کم اگلی ایک نسل تک اس کے آس پاس بھی نہیں پہنچ سکتے ۔ اور یہ طے ہے کہ امریکہ کو تین چار یورپی ممالک اور جاپان کی تائید کے ساتھ خاصے لمبے عرصے تک دنیا میں مکمل بالادستی حاصل رہے گی جس کے پیش نظر اگلے بیس برس تک سرمایہ دار جمہوری ممالک کے مفادات کو کسی قسم کا خطرہ لاحق نہیں الا یہ کہ روس دوبارہ اپنی پرانی روش اختیار کر لے یا چین کسی وقت قسمت آزمائی کا فیصلہ کر بیٹھے یا پھر جاپان اپنی پورے کردار پر نظرثانی کرنا چاہے (جاری ہے)۔

بقیہ قائداعظم

آپ مسلم لیگ کو مذہبی جماعت کیسے ثابت کریں گے جب کہ مذہبی جماعت تو جمعیت علمائے اسلام تھی' احرار تھی' جماعت اسلامی تھی اور وہ سب کی سب پاکستان مخالف تھیں۔

پاکستان بننے سے چند روز قبل ۱۱ر اگست ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم نے جو بات کہی تھی کہ "جلدی پاکستان میں ہندو ہندو رہے گا نہ مسلمان مسلمان' سیاسی اعتبار سے نہ کہ مذہبی اعتبار سے کیونکہ مذہب تو ہرایک کا ذاتی معاملہ ہے"

وہ ان کی سیاسی جدوجہد کے حوالے سے' جمہوریت کے حوالے سے اور سیکولرزم کے حوالے سے تھی کہ اب مسلمانوں کی عظیم اکثریت اس ملک میں ہے اور اب وہ اپنی مرضی کا نظام اس ملک میں چلا سکتے ہیں۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی کہ ان کی رحلت کے کچھ ہی عرصے بعد یہاں نوابوں' وڈیروں اور سرمایہ داروں نے قبضہ کرلیا۔ جن کے بارے میں قائد نے خود فرمایا تھا کہ میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں جنہوں نے سیاست کی گاڑی کو ذاتی مفادات کی پٹڑی پر ڈال دیا اور نوبت بایں جارسید کہ جس کا آپ چشم سر سے مشاہدہ کررہے ہیں۔

جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم پاسبان میں مختلف نوع کے خیالات رکھنے والوں' کشمیر میں بنیاد پرستوں اور حریت پسندوں کے تعاون کی مثال دے کر آپ امیر تنظیم اسلامی کے اس موقف کی پرزور تائید کررہے ہیں کہ انہی انمل بے جوڑ ملاپوں نے ہمیں آج یہ دن دکھایا ہے اور ہر جگہ ناکامی ہی ہمارا مقدر بن رہی ہے اسی لئے امیر تنظیم اسلامی نے پی این اے کی تحریک کو آغاز ہی سے تحریک نظام مصطفے ماننے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے انہیں جذباتی قسم کے مسلمانوں کے اندھے اور شدید ردعمل کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ لیکن آج ان کا موقف کس قدر درست ثابت ہوا اس کی شہادت آپ بھی دیں گے کیونکہ تحریک نظام مصطفے کے ذریعے نفاذ اسلام کی طرف کوئی پیش قدمی نہ ہو سکی۔

قاسمی صاحب! آپ نے بیان فرمایا ہے کہ مذہبی جماعتیں سیکولرزم کو کیا سمجھتی ہیں لیکن اپنے بارے میں واضح نہیں کیا کہ آپ سیکولرزم کو کس طرح لیتے ہیں۔ غیرواضح انداز میں صرف یہ لکھ دیا کہ اگر سیکولرزم روشن خیالی ہے تو پھر واقعی مسلم لیگ سیکولر جماعت تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بنیاد پرست مسلمان یا ان کی جماعت روشن خیال نہیں ہو سکتی۔ مزید براں یہ کہ ہمارے اسلاف میں کوئی ایسا بزرگ بھی تھا جو "بنیاد پرست" نہ ہو۔

لسانی اور تنگ نظر مذہبی جماعتوں کی مخالفت جتنی شدید تنظیم اسلامی اور اس کے امیر نے کی ہے' پاکستان میں شاید ہی کسی اور نے کی ہو۔ واضح رہے کہ کسی فرد یا جماعت کے بنیاد پرست ہونے یا مذہبی تنگ نظری کا مظاہرہ کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مذہبی تنگ نظری سے شدید نفرت رکھتے اور اپنے بنیاد پرست ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

آپ کی یہ بات بالکل درست ہے کہ قائداعظم کا تصور پاکستان یہ تھا کہ یہاں قرآن وسنت کی روشنی میں لوگوں کو انصاف ملے اور چارسو امن اور خوشحالی کے پھول کھلیں۔ آپ کی اسی بات سے یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ آپ نے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریات کو نہیں پڑھا۔ میں یہ کہ سکتا ہوں کہ اس وقت اسلام کے عدل اجتماعی یعنی سیاسی' سماجی اور معاشی نظام میں اصول حریت' اخوت' مساوات کے سب سے بڑے پرچارک ڈاکٹر اسرار احمد ہیں۔ اور ساتھ ہی ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسلام کا یہ روشن پہلو انتخابات کے ذریعے لوگوں کے سامنے نہیں آسکتا۔ بلکہ اس کے لئے نبویؐ طریق یعنی انقلابی لائحہ عمل اختیار کرنا پڑے گا۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد "نوائے وقت" میں تفکر وتذکر کے عنوان سے لکھ رہے ہیں' اس کا ضرور مطالعہ فرمائیے۔ نیز ڈاکٹر اسرار احمد کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسلام کسی فرد واحد پر مسلمان ہونے کے لئے کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں ڈالتا لیکن غلط نظام (یعنی سیاسی' سماجی' معاشی) کو قبول نہیں کرتا۔ غلط نظام حیات کو بدلنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان پر قرآن و سنت کی روشنی میں لازم ہے اور یہ اس کی غیرت وحمیت کا لازمی تقاضا بھی ہے۔

قاسمی صاحب! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیے کہ کیا موجودہ نظام قائداعظم کے اصول حریت' اخوت ومساوات پر مبنی نظام حیات ہے؟ اور کیا اسے بہترین نظام قرار دیا جاسکتا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اسے ظالمانہ نظام ہی قرار دیں گے۔ جہاں غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتے چلے جائیں' ایسے نظام کو بدلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے! دنیا میں نظام کو بدلنے کی جتنی بھی کوششیں ہوئی ہیں وہ سب کی سب ڈنڈے کے زور پر ہوئی ہیں اور سب سے بڑھ کر خود آنحضورؐ کو غلط نظام بدل کر صحیح اور بہترین نظام حیات لانے کے لئے تلوار ہاتھ میں اٹھانا پڑی۔ جو لوگ ایک طرف تو اسلام کو بہترین نظام حیات قرار دیں اور دوسری طرف اس کو نافذ کرنے کے لئے' روبہ عمل لانے کے لئے ڈنڈے کو برا سمجھیں ان کے تصور اسلام اور اسلام کے نظام حیات میں کھلا تضاد ہے۔

محترم قاسمی صاحب! یہ باتیں میں نے وضاحت کے لئے لکھی ہیں۔ اللہ کرے کہ آپ کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ ○ ○

اعتذار

پچھلے ہفتے اس خاکسار کی والدہ محترمہ چار ماہ کی علالت کے بعد خالق حقیقی سے جا ملیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ امیر تنظیم اسلامی وداعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد' جناب اظہار احمد قریشی برادران وقار احمد و ڈاکٹر ابصار احمد اور خاکسار سمیت پانچ بیٹوں اور تین بیٹیوں کو سوگوار چھوڑ گئی ہیں۔ ان کے لئے قارئین کو دعا کی درخواست کے علاوہ یہ معذرت بھی پیش کرنی ہے کہ اسی حادثے کے باعث ندائے خلافت پچھلے ہفتے شائع نہیں ہو سکا۔ (مدیر)

نبی اکرم کی اصل جلالت قدر اور عظمت شان کو کوئی نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جاسکتا ہے کہ
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"
ہمارے لیے اصل قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ:
کیا ہم آپ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں؟
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دارو مدار ہے
اس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہمارے تعلق کی بنیادیں
کا خود بھی مطالعہ کیجئے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجئے
ھدیہ فی نسخہ: 4 روپے تبلیغی مقصد کیلیے یک صد نسخوں پر ۳۳ فی صد کمیشن دیا جائے گا:

اسلامی انقلابی جماعتوں کو بھی جسد واحد بننا ہوگا

شناختی کارڈ کا قضیہ اسلام اور سیکولرزم کی کشمکش کا نیا عنوان ہے

لاہور۔ ۶ر نومبر۔ امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ پاکستان میں اسلام کے انقلابی فکر کی علمبردار جماعتوں میں اشتراک عمل ہونا چاہئے اور ان شاء اللہ جلد ہو کر رہے گا کیونکہ حالات و واقعات میں بڑی تیز رفتاری پیدا ہو چکی ہے اور اگلے تین چار سال صرف ہمارے ملک کے لئے ہی نہیں بلکہ پورے کرہ ارضی کے لئے بہت اہم ہیں جن کے دوران عالمی منظر پر بڑی بڑی ڈرامائی تبدیلیوں کا ظہور ہوگا۔ وہ مسجد دارالسلام باغ جناح میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی نشانیاں اہل نظر کو اب صاف دکھائی دینے لگی ہیں اور میرا اندازہ ہے کہ شاید اسی دوران اصل دجال یعنی مسیح الدجال بھی سامنے آجائے گا' عربوں کی کمر پر عقوبت کا کوڑا پورے زور سے برسے گا اور عظیم تر اسرائیل کے نقشے کی تکمیل ہو جائے گی جس میں پوری دنیا سے سمٹ کر یہودی اپنے آخری انجام کو پہنچنے کے لئے جمع ہونے والے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ جماعت اسلامی اور پاکستان عوامی تحریک دونوں جماعتیں انقلاب کی بات کرتی ہیں جبکہ قاضی حسین احمد اور علامہ طاہر القادری کی طرف سے یہ واضح اعلان بھی آچکا ہے کہ وہ کسی سیاسی یا انتخابی اتحاد میں شریک نہیں ہوں گے۔ ایک اور قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں جماعتیں جاگیرداری اور زمینداری کی جڑ کاٹنے کو تبدیلی کے لئے شرط لازم قرار دے رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یوں یہ دونوں جماعتیں ہماری جماعت تنظیم اسلامی کے موقف کے قریب آتی جارہی ہیں اور ممکن ہے کہ جمعیت علمائے اسلام بھی آخر اپنا قبلہ انقلاب کی طرف راست کر لے جس کے بعد صرف ایک قدم اور اٹھانے پر سارے فاصلے ختم ہو جائیں گے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ یہ انقلابی جماعتیں ایک فیصلہ اور کر لیں کہ انتخابی سیاست میں اپنی توانائیاں ضائع نہ کی جائیں تو میری جماعت ان کے خدام میں شامل ہونے کو سعادت سمجھے گی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس مرحلے کے آنے پر ایک متفقہ قیادت کے ابھرنے میں بھی زیادہ وقت نہیں لگے گا جو کسی بھی انقلاب کو برپا کرنے کے لئے ضروری ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے شناختی کارڈ پر مذہب کے اندراج کے خلاف احتجاج کی مذمت کی اور کہا کہ

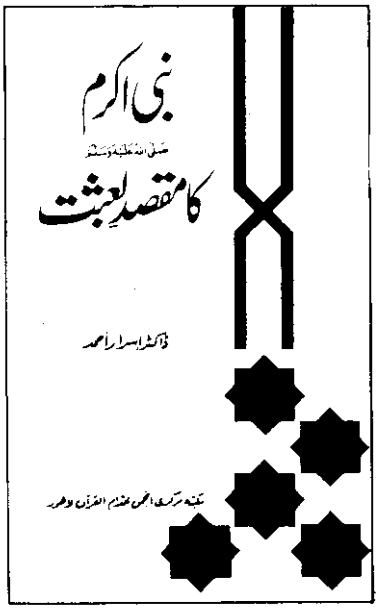

اشاعتِ خاص -/۲۴ روپے' عام -/۱۰ روپے

اسلام کا نام لینے والوں کے عزم وارادے کے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ سود کا مسئلہ جو زیر بحث معاملے سے کم از کم سو گنا بڑا ہے' اس چھوٹی سی بات کی اوٹ میں اوجھل ہو گیا ہے اور اس کے بارے میں ہماری حکومت کی بدنیتی تو ظاہر ہی ہے' خود مذہبی جماعتوں نے بھی کمزوری دکھائی ہے جنہوں نے حکومت کی طرف سے لیت ولعل پر تحریک چلانے کی دھمکی دی تھی لیکن اب اسے طاق نسیاں پر رکھے بیٹھی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شناختی کارڈ کے قضیہ پر جو درحقیقت اسلام اور سیکولرازم میں کشمکش کا ایک نیا عنوان ہے' حکمرانوں نے ایک مضبوط موقف اختیار کیا ہے اور اب دیکھنا ہوگا کہ وہ مخالفت کے اس طوفان کے آگے کتنی جرائت و ہمت کا مظاہرہ کرتے ہیں جسے غیر ملکی ذرائع ابلاغ نے بین الاقوامی مسئلہ بنا کر کھڑا کر دیا اور حد یہ کہ پوپ کو بھی مداخلت کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اسلام کے معاملے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا گیا تو ہمیں آئے دن ایسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ارادے کی پختگی کے ساتھ ایک ہی دفعہ پورے اسلام کے واقعی نفاذ کا اعلان کیا جائے تاکہ مخالفت کے نت نئے شور وغوغا کی بجائے ہمیں ایک ہی بار بھرپور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے جس کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو ایمان کی قوت استعمال کرتے ہوئے اللہ کی تائید و نصرت پر بھروسہ کرنا ہوگا اور اسی کے نتیجے میں پاکستان اپنے وجود کے جواز کے ساتھ انصاف کر سکے گا جو اسلام اور صرف حقیقی اسلام ہے○○۔